قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو اٰیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

چھبیسواں وعظ مسمی بہ

کوثر العلوم

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مرشدی ومولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے اپنی اھتمام سی شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمی بہ
کوثر العلوم

بیان	بہا	کلام	کیف	اسم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	الاشتات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	متفرقات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۲۰۰	[illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ الٓمّٓ ۝ ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ۝ ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاٰخرۃ ھم یوقنون

اولٰئک علی ھدی من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون ط میں اسوقت ان آیتوں سے
ایک ضروری مضمون کیطرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جسکا تعلق خصوصیت کیساتھ اہل علم سے ہی بالخصوص
طلبہ کو اسکی زیادہ ضرورت ہے چونکہ داعی اسوقت طلبہ ہی ہیں اسلئے انکے مناسب مضمون بیان
کرنا ضروری ہے اگرچہ ایک درجہ میں وہ مضمون عام بھی ہے اور سب مسلمانوں کی ضرورت کا ہی کیونکہ
ہر مسلمان ہر وقت مسلمان ہونیکی حیثیت سے طالب علم ہے کیونکہ ایک درجہ طلب علم کا ہر مسلمان پر فرض
ہے اور وہ ضروریات کا علم ہے یعنی اسقدر ضرورت عقائد کا اور احکام صلوٰۃ وصوم۔ و احکام معاملات

و معاشرات کا علم ہر مسلمان پر لازم ہے (طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم الحدیث ۱۲ ظ)
نیز اسکی بھی ضرورت ہے کہ دین اور علم دین سے مناسبت پیدا کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اور
فہم کو بڑہائے اور اسی کا نام طالبعلمی ہے (الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا
الحدیث ۱۲ ظ) پس جب یہ مضمون طلبہ کی ضرورت کا ہے تو گویا ہر مسلمان کی ضرورت کا ہے کیونکہ
ثابت ہوچکا کہ ہر مسلمان طالب علم ہے مگر کلی مشکک کیطرح اس وصف کا صدق بعض پر زیادہ ہے
اور بعض پر کم جو لوگ سارے مشاغل کو چھوڑکر طلب علم ہی میں مشغول ہیں انپر یہ وصف زیادہ
صادق آتا ہے اور اسیوجہ سے عرفاً طالبعلم کے لفظ سے متبادر الی الذہن وہی ہوتے ہیں باقی
مطلق طلب علم سے کوئی مسلمان بھی خالی نہیں پس اس درجہ میں یہ مضمون سبکے مناسب ہے
یعنی درجہ اطلاق میں ۱۲
یہ میں نے اسلئے عرض کردیا کہ جو لوگ عرفی طلبہ نہیں ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مضمون ہماری ضرورت کا
نہیں ہے کیونکہ اس سمجھنے کے دو اثر ہوتے جو لوگ ان میں سے طالب ہوتے وہ تو حسرت کرتے اور
جو غیر طالب ہوتے وہ آزاد ہوجاتے کہ بس ہمکو بیفکر ہوکر بیٹھنا چاہئے ہم اس بیان کے مخاطب
ہی نہیں مختلف طبائع پر اس خیال کا مختلف اثر ہوتا اسلئے میں نے کہدیا کہ فی نفسہ یہ مضمون
سبکی ضرورت کا ہے البتہ طلبہ کیساتھ زیادہ تعلق ہے اور انکو اسکی طرف زیادہ متوجہ ہونیکی ضرورت
ہے ایک تو اسلئے کہ طالبعلم کا صدق انپر دوسروں سے زیادہ ہے دوسرے اسلئے کہ یہ مقتدی
بننے والے ہیں انکو اپنے فرائض منصبی کے جاننے کی زیادہ ضرورت ہے اگر ان میں خدانخواستہ کمی
رہگئی تو دوسرونکو ضرر ہوگا کیونکہ یہی مبلغ احکام ہوں گے دوسرے لوگ جب کسی حکم کے
متعلق ان میں کمی دیکھیں گے تو انکا یہ اعتقاد ہوجائیگا کہ جب مبلغ ہی کو اسکا اہتمام نہیں تو یہ

کوئی ضروری چیز نہیں ہو گی بعض کا تو سچ مچ یہ اعتقاد ہی ہو جاتا ہے وہ احکام سے جان چرانے کیلئے بہانہ نہیں کرتے اور جو بہانہ باز ہیں اُنکو علماء کے عدم اہتمام سے گو اعتقادی ضرر نہ ہو کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حکم سبکے لئے عام ہے مگر الزام سے بچنے کیلئے انکو موقع ہاتھ آجاتا ہے اب کوئی اُنکو امر بالمعروف کرے تو وہ دلیری سے جواب دیدیتے ہیں کہ میاں اس میں تو مولوی بھی کوتاہی کرتے ہیں اور ہمتو پہلے ہی سے دنیا دار ہیں اب وہ پہلے سے زیادہ کوتاہی کرنے لگتے ہیں جسکا سبب یہ عالم اور مبلّغ بنتا ہے اسلئے طلبہ کو اس مضمون کے ساتھہ زیادہ تعلق ہے انکو اسطرف زیادہ توجہ کرنا چاہئے غرض اس مضمون کا تعلق طلبہ سے اوّلاً و بالاولیٰ ہے اور دوسروں سے ثانیاً اور بعد کے درجہ میں ہے اس مضمون کی تعیین کرتا ہوں پھر اُسکی تفصیل کردیجاویگی وہ مضمون یہ ہے کہ زیادت فی العلم مطلوب ہے یعنی علم تو مطلوب ہے ہی چنانچہ آیات و احادیث میں بکثرت اسکی تصریح ہے جسکو اہل علم جانتے ہیں اسوقت مجھے انکے بیان کی ضرورت نہیں اسوقت میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جسطرح مطلق علم مطلوب ہے اسیطرح اُسکی ترقی اور زیادت بھی مطلوب ہے شاید بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہو گا کہ اسکے بیان کی بھی کیا ضرورت ہے اسپر تو ہمارا پہلے سے خود ہی عمل ہے کیونکہ ہم کتابیں پڑھتے چلے جاتے ہیں اور ہر فن میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد کتابیں پڑھتے ہیں تو ہم زیادت فی العلم پر خود ہی عامل ہیں اور اوسکو مطلوب بھی سمجھتے ہیں مطلوب نہ سمجھتے تو عمل کیوں کرتے اسکا اصلی جواب تو یہ ہے کہ زیادتِ علم کی دو قسمیں ہیں ایک زیادت صورتِ علم کے متعلق ہے ایک حقیقتِ علم کے متعلق اور جس زیادت پر آپکا عمل ہے وہ صورتِ علم کی ترقی ہے حقیقتِ علم کی ترقی نہیں ہے کیونکہ کتابیں زیادہ پڑھنے سے حقیقتِ علم کی زیادت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اُسکے لئے دوسرے اسباب ہیں جو آئندہ معلوم ہوں گے جنسے آپکو بے توجہی ہے اسلئے یہ سوال متوجہ ہی نہیں ہوتا لیکن میں تبرعاً سوال کو وارد مانکر جواب دیتا ہوں کہ جس چیز کو آپ زیادت فی العلم سمجھے ہوئے ہیں وہ زیادت نہیں ہے کیونکہ آپنے زیادت فی العلم کو ایک مقدار محدود میں منحصر کرلیا ہے حالانکہ زیادت کیلئے کوئی حد نہیں بلکہ وہ ایک غیر متناہی چیز ہے نہ بمعنی غیر متناہی بالفعل جسکا وجود محال ہو بلکہ بمعنے لاتقف عند حد۔ اب غور کیجئے کہ کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آپ کو کونسی زیادت مطلوب ہے ظاہر ہے کہ نصاب کی حد تک ترقی مطلوب ہے اسکے بعد اکثر لوگ بیفکر ہو جاتے ہیں اور بیفکر ہی نہیں بلکہ اپنے کو صاحبِ کمال اور مستغنی

عن الطلب سمجھنے لگتے ہیں اسکے بعد زیادت فی العلم میں کون مشغول ہوتا ہے درسیات سے فارغ ہونے کے بعد حالت یہ ہے کہ جنکی استعداد خراب ہے وہ تو پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیتے ہیں پھر بعض تو ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بعض وعظ گوئی اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ ان میں حظِّ نفس ہے ایک میں حظِّ نفسانی بواسطہ حظِّ جسمانی کے ہے اور ایک میں حظِّ نفسانی بلا واسطہ حظِّ جسمانی کے ہے وعظ میں تو حظِّ نفسانی بواسطۂ جسمانی کے ہے کہ لوگ واعظ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں جسمانی اور مالی خدمت کرتے ہیں عمدہ عمدہ غذائیں کہانے کو ملتی ہیں اور قیمتی سواری ملتی ہے کہیں موٹر کہیں فٹن کہیں فسٹ کلاس کا درجہ۔ اور ذکر و شغل میں حظِّ نفسانی بلا واسطہ جسمانی کے ہے کیونکہ بعض لوگ ذکر و شغل میں اسلئے مشغول ہوتے ہیں کہ انکو جاہ مطلوب ہے کہ صوفی اور بزرگ بنکر ملک القلوب حاصل ہو جائے یہ تو حظِّ نفس ہے اور حظِّ جسمانی کا واسطہ اس میں اسلئے نہیں ہے کہ ذکر و شغل میں مشغول ہونیکی ساتھ انکو مجاہدات کرنا پڑتے ہیں تقلیلِ طعام و تقلیلِ منام کرنا پڑتی ہے بلکہ بعض تو جاہ حاصل کرنیکے لئے بہت زیادہ تکالیف جسمانیہ برداشت کرتے ہیں کہ ایک ہی وقت کہانا کہاتے اور موٹا کپڑا پہنتے ہیں تاکہ لوگ انکو تارک اور زاہد سمجھیں یہ تو غیر مخلصین کا حال ہے اور جو مخلص ہیں وہ حظِّ نفس کے طالب تو نہیں مگر حظِّ نفس سے خالی وہ بھی نہیں ہیں کیونکہ ذکر و شغل میں بعض ایسی چیزوں کو مقصود سمجھے ہوئے ہیں جو واقع میں مقصود نہیں بلکہ حظوظِ نفس میں داخل ہیں گو یہ مخلصین اُنکو حظوظِ نفس نہیں سمجھتے مگر چونکہ واقع میں وہ حظوظِ نفس ہیں اور یہ اُنکے طالب ہیں اسلئے من حیث لا یدری یہ بھی طالب حظِّ نفس ہو جاتے ہیں مثلاً ذکر و شغل میں جو لذت آتی ہے اکثر ذاکرین اس لذت کے طالب ہیں اور اسکو لذتِ روحانی سمجھکر مقصود سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ لذت اکثر نفسانی ہوتی ہے اور گو یہ لذت (یعنی نفسانی) بھی مضر نہ ہو بلکہ کسی درجہ میں محمود ہی ہی مگر مقصود بھی نہیں کیونکہ محمود ہونا مقصود ہونیکو مستلزم نہیں۔ اور اکثر ذاکرین اسکو مطلوب سمجھے ہوئے ہیں اور ان کو محض رضا، اور ذکر حق بہت کم مطلوب ہوتا ہے بلکہ زیادہ تر یہ حظِّ نفس مطلوب ہے چنانچہ یہ حظوظ نفسانیہ اگر مقصود نہ ہوتے تو سالکین و ذاکرین وہ شکایتیں نکرتے جو شیوخ سے آجکل کیجاتی ہیں اگر انکو محض رضا و ذکر حق مطلوب ہوتا تو یہ تو اُنکو عدم لذت کی حالت میں بھی حاصل ہے پھر شکایت کس چیز کی ہے آخر لذت کے نہ ہونے سے مقصود میں کیا کمی آگئی جو اسکی شکایت کیجاتی ہے کیا کسی نص سے یہ ثابت ہے کہ عدم لذت منقص اجر ہے ظاہر ہے کہ کسی نص سے یہ بات ثابت

نہیں پہر اسکے نہ ہونے سے رنج وملال اور شیخ سے شکوہ وشکایت کیوں معلوم ہوا کہ یہ لوگ مقصود بالغیر کو مقصود بالذّات اور مقصود بالذّات کو مقصود بالغیر سمجھتے ہیں جبھی تو لذّت کی کمی سے کام میں کمی کردیتے ہیں۔ اب میں لذّت روحانیہ اور لذّت نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں تاکہ ذاکرین دہوکہ سے بچتے رہیں اور حظوظ نفس کے طالب ہوں یاد رکھو ذکر وشغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہے وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں کہ لطافت کیوجہ سے انکو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے وہ غلبہ کی ساتہہ وارد نہیں ہوتیں اور انکی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماً اُن میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور کیفیات نفسانیہ کا ورود غلبہ سے ہوتا ہے جنمیں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکلجاتا ہے گو یہ اسمیں مجبور ومعذور ہو مگر یہ کیفیت مطلوب ومقصود نہیں اور نہ اُنکے لئے بقا ہے بلکہ کچہہ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے کیفیت روحانیہ اور لذّت روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جسکو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جعلت قرۃ عینی فی الصّلوۃ (کہ میری آنکہہ کی ٹہنڈک نماز میں رکھی گئی ہے ۱۲) اسکی حقیقت تو وہی جانتا ہے جسکو یہ ٹہنڈک حاصل ہوتی ہے مگر اسکی علامت یہ ہے کہ نماز سکون واطمینان سے ادا کرے جلدی نہ کرے اور کوئی چیز اُسکو نماز سے مشغول نہ کرسے یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو اور بدون نماز کے قلب کو چین نہ ملے وقت آتے ہی نماز کے لئے دل بیچین ہوجائے اسکو خلوص اور احسان کہتے ہیں یہ ہیں کیفیات روحانیہ بخلاف اُن کیفیات کے جو سالکین کو وسط میں پیش آتی ہیں جیسے محویت اور استغراق وغیرہ۔ انکا بعض اوقات ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے سو یہ کیفیات مقصود نہیں اور جسکو خلوص حاصل ہو جو کیفیت روحانیہ ہے گو اوسکو کتنے وساوس آتے ہوں اس حالت میں بھی اسکا طالب لذّت ومحویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ	پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

(یعنی جب کو بادشاہ نے اپنے ہاتہہ چومنے کا موقعہ دیدیا ہو اُسکا یہ کہنا کہ نہیں حضور مین تو پیر ہی چوموں نگا خطا ہے اور گناہ ہے ۱۲) یہ لذت اور محویت تو پائے بوسی کے مثل ہے اور خلوص واحسان دست بوسی کے مثل ہے پہر افضل کو چہوڑ کر مفضول کا طالب ہونا غلطی ہے یا نہیں اور محویت و استغراق کے غیر مقصود ہونیکی دلیل یہ ہے کہ نصوص میں اسکی فضیلت کہیں وارد نہیں ہوئی بلکہ حدیث

توخشوع کی یہ حقیقت بتلائی گئی ہے من توضاء فاحسن الوضوء ثم صلی رکعتین مقبلا علیھما بقلبہ
لا یحدث فیھما نفسہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ او کما قال (جسنے وضو کیا اور اچھی طرح کیا
پھر دو رکعت اسطرح پڑھے کہ دل سے اُنپر متوجہ ہو اور اُن میں اپنے نفس سے باتیں کرے وہ جنت میں
داخل ہوگا ۱۲) حضور نے یہ نہیں فرمایا لا تتحدث فیھما نفسہ (کہ اسکا دل بھی باتیں نہ کرے) بلکہ
لا یحدث فیھما نفسہ فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے وساوس نہ لاوے گو خود
آجاویں اسکا مضائقہ نہیں اور جب وسوسہ کا آنا مذموم نہیں تو اسکا نہ آنا مطلوب بھی نہیں ہاں وسوسہ
کا از خود لانا مذموم ہے اور از خود نہ لانا مطلوب ہے پس جو خود وسوسہ نہ لاتا ہو اُسکو مطلوب حاصل ہے
اب اُسکا یہ چاہنا کہ بلا قصد بھی وساوس نہ آیا کریں غیر مقصود کی طلب ہے۔ احادیث میں حضرات صحابہ
رضی اللہ عنہم کا وسوسہ کی شکایت کرنا وارد ہے جسکے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو
کوئی ایسا وظیفہ نہیں بتلایا جس سے وساوس کا آنا بند ہو جاوے بلکہ حضور نے عدم التفات کا
امر فرمایا ہے لقولہ ذاک صریح الایمان ولقولہ فلیستعذ باللہ ولینتہ جسکا حاصل
ہے کہ اپنے کو ذکر کی طرف متوجہ کردے اور وسوسہ کیطرف التفات نہ کرے یعنی از خود اوس طرف
متوجہ نہ ہو یہی مفہوم ہے لینتہ کا نہ یہ کہ اوسکی نفی کیطرف متوجہ ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وساوس
کا نہ آنا مطلوب نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی مطلوبیت کو ظاہر فرماتے۔ شاید اسپر کوئی یہ
شبہ کرے کہ گو احادیث سے وسوسہ پر مواخذہ نہ ہونا معلوم ہوتا ہو مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے
کہ وسوسہ پر بھی مواخذہ ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولقد خلقنا الانسان ونعلم
ما توسوس بہ نفسہ۔ اس سے ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ وسوسہ پر مواخذہ ہے چنانچہ بہت
آیتوں میں یعلم ما تفعلون وغیرہ عنوانات کی دلالت اسپر متفق علیہ ہے مگر اس شبہ کا منشاء
عدم تدبر ہے اور قرآن میں اکثر اشکالات جو پیش آتے ہیں وہ سیاق و سباق میں غور نہ کرنے ہی سے
وارد ہوتے ہیں ورنہ قرآن کے مضامین پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوسکتا واقعی بینات من
الھدی والفرقان ہے مگر کسکے لئے تدبر کرنے والوں کے لئے کتاب انزلناہ الیک مبارک
لیدبروا آیاتہ اب سُنئے کہ نعلم ما توسوس بہ نفسہ سے یہ اشکال کیوں پیدا ہوا منشا
اشکال کا یہ ہے کہ لوگوں نے اسکو عتاب پر محمول کیا ہے کہ گویا حق تعالیٰ یوں فرمارہے ہیں کہ

ہمنے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُسکے وساوس قلبیہ کو خوب جانتے ہیں اسلئے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان وساوس کی کسیکو خبر نہیں جیسے نحن اعلم بما یصفون اور نحن اعلم بما یقولون وغیرہ میں عتاب ہے مگر سیاق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کو عتاب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہاں خالقیت سے عالمیت پر استدلال کرنا مقصود ہے جیساکہ دوسری جگہ بھی ایک آیت میں خالقیت سے عالمیت پر استدلال فرمایا ہے الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر (کیا جسنے پیدا کیا ہے وہ بھی اپنی مخلوق کو نہ جانیگا حالانکہ وہ بہت باریک بیں اور صاحب علم ہے) یہی مضمون یہاں مذکور ہے چنانچہ سیاق و سیاق میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائیگی سباق میں تو ابتدائے سورت سے تامل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ اس مقام پر منکرین معاد پر رد کرنے کیلئے معاد کو ثابت فرما رہے ہیں اور معاد کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو قدرت کاملہ کی جس سے نیست کو ہست کرنے پر خدا تعالیٰ قادر ہوں دوسرے علم کامل کی جس سے موت اجسام کے بعد اُسکے اجزاء متفرقہ کا جمع کرنا ممکن ہو۔ چنانچہ اول حق تعالیٰ نے منکرین معاد کا قول نقل فرمایا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہونیکو عجیب اور بعید سمجھتے ہیں ذلک رجع بعید اسکے بعد اس تعجب اور بُعد کو دفع کرنیکے لئے اپنے لئے علم کامل کا دعویٰ کیا قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتاب حفیظ جسکا حاصل یہ ہے کہ ہمارے علم کی تو یہ شان ہے کہ ہم اُنکے اُن اجزاء کو جانتے ہیں جنکو مٹی دکھاتی اور کم کرتی ہے اور دیکھی نہیں کہ ہم آج سے جانتے ہیں بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتی کہ ہمنے قبل وقوع ہی سب اشیاء کے تمام تر حالات اپنے علم قدیم سے ایک کتاب میں جو لوح محفوظ کہلاتی ہے لکھدیے تھے اور اب تک) ہمارے پاس (وہ) کتاب محفوظ (موجود) ہے جس میں ان اجزاء مستحیلہ کی وضع اور کیفیت اور مکان اور مقدار وغیرہ سب کچھ ہے) اسکے بعد اپنی قدرت کاملہ ثابت کرنیکے لئے آسمان و زمین کی پیدائش اور بارش وغیرہ کا تذکرہ فرمایا کہ ہمنے کس طرح خوبصورتی اور مضبوطی کی ساتھ آسمان کو بنایا ہے جسمیں باوجود امتداد زمانہ کے کوئی بھی رخنہ نہیں اور زمین کو کیسا بچھایا ہے اور اسمیں پہاڑوں کو جمایا اور ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں اور آسمان سے برکت کا پانی نازل کیا جس سے باغ اُگائے اور غلہ اور کھجور کے درخت پیدا کئے جس سے مردہ زمین میں جان پڑجاتی ہے بس سمجھ لو کہ اسیطرح مردہ اجسام بھی زندہ ہو سکتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں افعیینا

بالخلق الاول ط کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے (جو دوبارہ زندہ نہ کر سکیں یہ بھی غلط ہے کیونکہ تعب تو نقص قدرت کیوجہ سے ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت ناقص نہیں بلکہ غایت درجہ کامل ہے جسپر مخلوقات خود شاہد ہیں کیا ہیں تو وہ تعب سے بھی بری ہیں یہانتک تو قدرت کا اثبات ہوا آگے علم کامل پر (جسکا اول دعویٰ کیا گیا تھا) خالقیت سے استدلال فرماتے ہیں ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه یعنی ہمنے انسان کو پیدا کیا ہے (جو غایت درجہ علم و حکمت اور قدرت کی دلیل ہے کیونکہ انسان تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاقل اور ہوشیار اور ذی علم ہے تو سمجھ لو کہ اُسکا پیدا کرنے والا کیسا ذی علم ہوگا) اور ہم اُن باتوں کو بھی جانتے ہیں جو اُسکے نفس میں بطور وسوسہ کے گذرتی ہیں (کیونکہ اسکا منشا حرکت قلب ہے اور اس حرکت کو بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں جسکی دلیل یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں یہ وساوس نہیں ہیں تو جو وساوس کو بھی جانتا ہے جنکا قیام بھی قلب میں نہیں ہوتا وہ انسان کے ارادہ اور عزم کو کیوں نہ جانیگا جسکو قلب میں قیام ہوتا ہے اور اس سے بڑھکر اعمال جوارح و اقوال لسان کو کیوں نہ جانیگا جو سبکو محسوس ہوسکتے ہیں گو بوجہ عرض ہونے کے انکو خود قیام نہیں مگر پھر بھی تبعاً للذات انکا ادراک مخلوق کو بھی ہوتا ہے تو خالق کو کیوں نہ ہوگا اور جب وہ وساوس قلب اور ارادہ و عزم اور افعال و اقوال کو جانتا ہے تو اجزاء متحلیلہ متفرقہ کو جو جواہر و اعیان ہیں کیوں نہ جانیگا) یہ تو سیاق کی دلالت تھی اس استدلال پر آگے سیاق تو بہت ہی صریح ہے فرماتے ہیں ونحن اقرب الیه من حبل الورید کہ ہم باعتبار علم کے اُسکی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں (رگ سے مُراد یہانپر وہ رگ ہے جسکا اتصال شرط حیوۃ ہے اور حیات کا مدار نفس و روح ہے مقصود یہ ہے کہ ہم انسان کے نفس و روح سے بھی زیادہ اُسکے احوال کو جانتے ہیں کیونکہ ہمارا علم قدیم ہے اور حضوری ہے اور انسان کے نفس و روح کا علم حادث ہے خواہ حضوری ہو یا حصولی اور حصولی تو فی نفسہ بھی ناقص ہے ۱۲)۔ علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ یہاں اقربیت سے اقربیت بالعلم مُراد ہے پس ونحن اقرب الیه من حبل الورید یہاں ایسا ہے جیسا الا یعلم من خلق کے بعد وھو اللطیف الخبیر ط تھا حاصل دونوں کا ایک ہی کہ خالقیت سے عالمیت پر استدلال کیا گیا ہے اور علم الٰہی کا کمال ثابت کیا گیا ہے جس سے امکان معاد کو ثابت کرکے استبعاد کو رفع کرنا مقصود ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ ان وساوس پر

مواخذہ ہوگا یا نہیں بلکہ صرف علم وساوس سے کمال علم کو ثابت کرنا مقصود ہے خوب سمجھ لو پس اس آیت سے وساوس پر مواخذہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور جس آیت سے اوّل نظر میں وساوس پر مواخذہ کا شبہ ہوسکتا تھا حق تعالیٰ نے اُسکو بہت صاف اور صریح طور پر دفع فرمادیا ہے اور وہ آیت یہ ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر ﴿اور اگر تم ظاہر کرو اُن باتوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا چھپاؤ بہر حال اللہ تعالیٰ تمسے اُنکا محاسبہ فرمائیں گے پھر جسکو چاہیں گے معاف کردیں گے اور جسکو چاہیں گے عذاب دیں گے اور اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر قدرت ہے﴾ یہاں بظاہر لفظ ما عام ہے وساوس غیر اختیاریہ اور خیالات اختیاریہ سبکو اور عموم ہی کیوجہ سے صحابہ کو اشکال ہوا تھا مگر اس کا منشا عدم علم نہ تھا صحابہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے کیونکہ یہ مسئلہ عقلیہ بھی ہے بلکہ غلبۂ خشیت سے انکو عموم کا شبہ ہوا کیونکہ لفظ بظاہر عام تھا اور خشیت وہ چیز ہے کہ جب اسکا غلبہ ہوتا ہے اسوقت علم پر نظر نہیں رہتی بلکہ علم مغلوب ہوجاتا ہے قربان جائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپنے خشیت کی بھی ایک حد بیان فرمادی حضور کے سوا اسکو کوئی نہیں بیان کرسکتا تھا ہمتو خشیت کے ہر درجہ کو مطلوب سمجھتے کیونکہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا محمود اور مقصود ہے اور مقصود کا ہر درجہ ظاہراً مقصود ہوتا ہے ہمکو تو ظاہر میں بھی معلوم ہوتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم عظیم کو ظاہر فرمایا ہے کہ مقصود کے لئے بھی یہ ضرور نہیں کہ اسکا ہر درجہ مقصود ہو بلکہ مقاصد بھی ایک خاص حد تک مطلوب ہیں چنانچہ خشیت کے بارہ میں آپ فرماتے ہیں واسئلک من خشیتک ما تحول بہ بینی وبین معاصیک اے اللہ میں آپکا خوف اتنا چاہتا ہوں جس سے مجھ میں اور معاصی میں رکاوٹ ہوجائے اس سے زیادہ خشیت کو آپ نے طلب نہیں کیا معلوم ہوا کہ اسکا زیادہ غلبہ مقصود نہیں وجہ یہ ہے کہ غلبۂ خشیت سے بعض دفعہ جسمانی تکالیف کھڑی ہوجاتی ہیں جسم حزن وغم سے گھلنے لگتا ہے نیز بعض دفعہ حدود سے تجاوز ہوجاتا ہے جیسے کسی غلام پر آقا کا خوف بہت غالب ہو تو اُسکے سامنے جاتے ہی اُسکے ہاتھ پیر بھول جاتے ہیں پھر چاہتا کچھ ہے کرتا کچھ ہے زبان سے بھی بے تکی باتیں نکلتی ہیں کہنا کچھ چاہتا ہے اور زبان سے کچھ کا کچھ نکلتا ہے۔ نیز بعض دفعہ اس غلبۂ خشیت سے مایوسی تک نوبت پہونچ جاتی ہے اسلیئے ایسا غلبہ

کمال نہیں اور اسلئے کاملین پر ایسا غلبہ نہیں ہوتا چنانچہ انبیاء علیہم السلام غالب علی الکیفیات ہوتے تھے مغلوب نہ ہوتے تھے ہاں گاہے کاملین پر بھی غلبہ ہوتا ہے مگر وہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا تھوڑی دیر کو ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ جلدی ہی خود سنبھال لیتے ہیں اور واقعی ناقص کی سنبھال تو کاملین کے ذریعہ سے ہو جاتی ہے کاملین کی سنبھال کون کرے سوا خدا تعالیٰ کے بس انکو خود ہی سنبھالتے ہیں ؎

او بدل ہا ہم نماید خویش را	او بدوزد خرقۂ درویش را

یعنی حق تعالیٰ ہی خود اپنے کو عشاق کے سامنے ظاہر بھی فرماتے ہیں اور خود ہی اُنکے نقص کو بھی کمال سے مبدل فرماتے ہیں۔ غرض صحابہ کو غلبۂ خشیت کیوجہ سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کیا وساوس پر بھی مواخذہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے اس شبہ کو عرض کیا حضور نے بھی آیت کی تفسیر خود نہیں فرمائی کیونکہ آپ پر غلبۂ ادب تھا اور وحی قطعی سے رفع اشتباہ کی امید تھی احکام کے مدارج مختلف ہیں بعض کی تفسیر تو حضور نے خود فرما دی ہے اور بعض کیلئے آپ وحی قطعی کے منتظر ہوا کرتے تھے اور ان مدارج کو آپ ہی جانتے تھے غرض آپ نے خود تفسیر کی کہ مافی انفسکم سے امور اختیاریہ قلبیہ مُراد ہیں بلکہ فرمایا قولوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر یعنی سمعنا واطعنا کہو اور جو کچھ بھی حکم نازل ہو اسکو قبول کرو چنانچہ صحابہ نے ایسا ہی کیا اور عموم پر بھی راضی ہو گئے اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مدح میں آیات نازل ہوئیں امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا احکام منزلہ من اللہ پر بڑا کامل ایمان ہے کہ ہر حکم پر دل سے راضی ہو جاتے ہیں اور سمعنا واطعنا کہتے ہیں اسکے بعد آیت سابقہ کی تفسیر فرمائی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت یعنی حق تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے اور وساوس غیر اختیاری ہیں تو اُن پر مواخذہ نہ ہوگا اس آیت سے پہلی آیت کی تفسیر ہو گئی کہ اُس میں مافی انفسکم سے عزم و ارادہ مُراد ہے جو ما کسبت وما اکتسبت میں داخل ہے نہ کہ وسوسہ۔ رہا یہ کہ احادیث میں تو یہ آتا ہے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اور تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان تبدیل نہیں بلکہ بیان تفسیر ہے اسکا جواب قاضی ثناء اللہ صاحب نے خوب دیا ہے کہ سلف کی اصطلاح میں نسخ عام ہے وہ

بیان تفسیر کو بھی نسخ ہی سے تعبیر کر دیتے ہیں واقعی یہ بہت قیمتی تحقیق ہے اور جو شخص احادیث میں غور کریگا اُسکو اسکی قدر معلوم ہو گی اور تتبع سے اس تحقیق کی صحت معلوم ہو جائیگی - اب بحمد اللہ سب اشکالات رفع ہو گئے اور اگر کسیکو یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے آیت ونعلم ما توسوس بہ نفسہ نزولاً موخر ہو اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا مقدم ہو تو مؤخر متقدم کیلئے ناسخ ہو جائیگا اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ تاریخ دیکھو علماء و مفسرین نے تصریح کی ہے کہ سورۂ قٓ پوری مکّی ہے اور سورۂ بقر مدنی ہے دوسرے سورۂ قٓ کی یہ آیت مواخذہ علی الوساوس پر دلالت کرنے میں صریح نہیں بلکہ اس میں محض علم بالوساوس کا ذکر ہے اور سورۂ بقرۃ کی آیت عدم مواخذہ میں صریح ہے اور غیر صریح صریح کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتا کلام بہت بڑھ گیا میں یہ کہہ رہا تھا کہ نماز میں اگر خود بخود وساوس آویں تو وہ ذرا مضر نہیں ہاں ارادہ سے لانا بُرا ہے اور بلا ارادہ کے آئیں تو آئیں تم پروانہ کرو اب جس شخص کو یہ مطلوب حاصل ہو اسکا پھر یہ شکایت کرنا کہ ہائے مجھے وساوس بہت آتے ہیں اسکی دلیل ہے کہ وہ مقصود کا طالب نہیں کسی اور چیز کا طالب ہے اور وہ وہی ہے حظِّ نفس - کیونکہ اگر وساوس بالکل نہ آئیں اور محویت کی سی حالت ہو جائے تو اس میں لذّت خوب آتی ہے اور نفس کو کشاکشی سے نجات رہتی ہے اس حظ نفس کی وجہ سے یہ شخص لذت و محویت کا طالب ہے گو اسکو نہ دنیا مقصود ہے نہ جاہ وغیرہ لیکن ایک غیر مقصود کا تو طالب ہے اور ابتک حظوظ میں پڑا ہوا ہے اور میں اسکو بیان کر رہا تھا کہ جو طلبہ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں ان میں دو قسم کے لوگ ہیں بعض تو غیر مخلص ہیں جو جاہ وغیرہ کے طالب ہیں اور بعض مخلص ہیں مگر مخلصین بھی حظوظ میں مبتلا ہیں گو وہ حظوظ دنیویہ نہ ہوں لیکن ہیں غیر مقصود اور جو طلبہ غیر مخلص ہیں ان کا تو پوچھنا کیا یہ تو انکا ذکر تھا جو خوش استعداد نہیں کہ وہ زیادہ تر اپنی بد استعدادی ہی کیوجہ سے ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں اور زیادت فی العلم سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں اور جو خوش استعداد ہیں انکی انتہا یہ ہے کہ وہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ اسکو ضروری سمجھتے ہیں اُنکی زیادت اسی میں منحصر ہے کہ درسیات ہی ساری عمر پڑھاتے رہیں پھر اُن میں بھی بعض کا مقصود تو محض تنخواہ ہے اور بعض کا مقصود یہ ہے کہ ہمکو تعلیم علم کا ثواب ملے گو اسکے ساتھ تنخواہ بھی ملتی رہے کیونکہ

ہر تنخواہ اجرت نہیں بلکہ بعض تنخواہ حق احتباس بھی ہوتی ہے جیسے بیوی کا نفقہ اور رزق القاضی وغیرہ ہاں اجرت اور نفقہ میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ تنخواہ میں تعین ہوتا ہے اور نفقہ میں تعین نہیں ہوتا بلکہ اُمیں قدر ضرورت کا استحقاق ہوتا ہے زیادہ کا استحقاق نہیں ہوتا مگر کبھی نفقہ زوجہ میں بھی فرض جائز ہے تاکہ نزاع نہ ہو اور جانبین کے مصالح محفوظ رہیں اس تعین سے وہ نفقہ ہونے سے نہیں نکلجاتا چنانچہ نفقۂ زوجہ فرض قاضی کے بعد بھی نفقہ ہی رہتا ہے اسیطرح اگر مدرسین کی تنخواہ معین ہو تو محض تعیین سے وہ تنخواہ اجرت تعلیم نہ ہو گی بلکہ حق احتباس اور نفقہ میں داخل رہیگی مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کسکی تنخواہ تو اجرت ہے اور کسکی تنخواہ نفقہ ہے کیونکہ محض الفاظ کو سنکر دعوی کرلینا اور اپنی تنخواہ کو نفقہ میں داخل کرلینا تو آسان ہے مگر حقیقت کا مصداق بننا آسان نہیں ہے

وجائزۃ دعوی المحبۃ فی الھوی ولکن لا یخفی کلام المنافق

زبان سے تو دعوی محبت ہر ایک کو آسان ہے مگر سچ مچ عاشق ہونا بہت مشکل ہے خوب کہا ہے

وقوم یدعون وصال لیلی ولیلی لا تقرلھم بذاک

بہت لوگ لیلی کے وصال کا دعوی کرتے ہیں مگر لیلی انکو منھ بھی نہیں لگاتی اسیطرح بہت لوگ دعوی کرتے ہیں کہ ہم واصل ہیں اور مقرب خداوندی ہیں اور خدا تعالی انکو پوچھتے بھی نہیں دکہ یہ کس کھیت کے بتھوے ہیں ۱۲) بہت لوگ اپنے کو صاحب نسبت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دہوکہ میں ہیں وہ محض ملکۂ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں کہ حق تعالے کی یاد سے کسی وقت ذہول نہو مگر یہ غلط ہے ذہول نہ ہونا تو مشق پر موقوف ہے ایک فاسق بھی اگر دو سال خدا کے نام کی مشق کرلے تو اُسکو یادداشت حاصل ہو سکتی ہے تو کیا وہ صاحب نسبت ہو جائیگا ہرگز نہیں کیونکہ فسق کی ساتھ نسبت خاصہ کا اجتماع نہیں ہو سکتا یادرکھو یادداشت عین نسبت نہیں بلکہ معین نسبت ہی کہ اطاعت وامتثال اوامر کے ساتھ یادداشت بھی جمع ہوجائے تو بہت جلد نسبت قلب میں خالص ہوجاتی ہے اب نسبت کی حقیقت سمجھو اسکی حقیقت وہی ہے جو اپنے درسی کتابوں میں پڑھی ہے یعنی علاقہ معنویہ بین الطرفین نسبت ایک لگاؤ اور تعلق کا نام ہے جو دونوں طرف سے ہوتا ہے کہ بندہ کو خدا تعالے سے تعلق ہو اور خدا تعالی کو بندہ سے تعلق ہو۔ اب ان صوفی صاحب کی نسبت کا جو کہ محض ملکۂ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں یہ حال ہے کہ انکو تو خدا تعالی سے ذکر کا تعلق ہے مگر خدا تعالے

کو انسے تعلق نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کسی طالب علم سے پوچھا تھا کہ آج کل کس شغل میں ہو کہا شاہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں پوچھا کیا کچھ اسکا سامان ہو گیا کہا ہاں آدہا سامان تو ہو گیا آدہا باقی ہے پوچھا یہ کیونکر کہا نکاح طرفین سے ہوتا ہے تو میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اسلئے آدہا سامان ہے۔ اس حکایت پر سب ہنستے ہیں اور اس طالب علم کو احمق بناتے ہیں کہ بیہودہ یہ بھی کوئی سامان ہے کہ میں راضی ہوں مگر اس سے زیادہ ان صوفی صاحب کی حالت پر محقق کو ہنسی آتی ہے کیونکہ طالب علم نے تو اپنی رضا کو آدہا ہی سامان کہا تھا اور یہ حضرت اپنی یاد داشت کو پورا سامان سمجھتے ہیں اور اسی پر اکتفا کر کے نازاں ہیں کہ ہم صاحب نسبت ہیں ان کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص محض اپنی رضا سے یہ سمجھنے لگے کہ میرا نکاح ہو گیا اور میں بیوی والا ہوں یاد رکھو خدا تعالیٰ کو بندہ سے تعلق جسکی حقیقت رضا ہے محض ذکر کی مشق سے نہیں ہوتا بلکہ ذکر و طاعت دونوں کے مجتمع ہونے سے انکو وہ تعلق ہوتا ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ حق تعالیٰ کو ذکر ہی سے بندہ کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے تو پھر یہ تسلیم نہیں کہ ذکر محض اسکا نام ہے کہ زبان سے اللہ اللہ کر لیا جائے یا اشغال و مراقبات کر لئے جائیں بلکہ ذکر نام ہے اطاعت کا جسمیں یہ ذکر لسانی بھی داخل ہے کیونکہ فاذکرونی کا ایک فرد یہ بھی ہے اسلئے حصن حصین میں ہے کل مطیع للہ فھو ذاکر کہ ذکر تسبیح و تحمید و تہلیل ہی میں منحصر نہیں بلکہ جو شخص جسکام میں بھی حق تعالیٰ کی اطاعت بجالا رہا ہو وہ اسوقت ذاکر ہی ہے اور اسلئے مفسرین نے فاذکرونی اذکرکم کی تفسیر میں فرمایا ہے اذکرونی بالطاعۃ اذکرکم بالاجر والرحمۃ۔ جب یہ بات سمجھہ میں آگئی تو اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص ملکہ یاد داشت کر کے احکام واوامر میں کوتاہی کرتا ہے اُسنے ذکر کی بھی تکمیل نہیں کی کیونکہ ذکر نام ہے طاعت کا اور یہ مطیع نہیں اور اگر اسکو ذکر تکمیل کہا جائے جیساکہ آج کل کی اصطلاح ہے تو پھر میں یہ کہونگا کہ محض تکمیل ذکر سے حق تعالے کو بندہ کے ساتھہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ اسکے لئے اطاعت کی بھی ضرورت ضرورت ہے جو یہاں مفقود ہے اسلئے حق تعالیٰ کو اس سے تعلق نہیں اور جب اُنکو تعلق نہیں تو نسبت بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ تعلق من الطرفین کا نام ہے تو جیسے اپنے کو واصل کہدینا زبان سے تو آسان ہے مگر حقیقت میں واصل ہونا بڑی دشوار و نادر چیز ہے اسیطرح زبان سے یہ

کھدینا تو آسان ہے کہ ہم تنخواہ نہیں لیتے بلکہ نفقہ لیتے ہیں مگر اسکی حقیقت کا مصداق بننا آسان نہیں اسکے لئے کسی حقیقت شناس کو اپنی نبض دکھاؤ اگر وہ کہدے کہ واقعی تمہاری تنخواہ نفقہ ہے تو پھر آپکی حالت مبارک ہے اسیطرح ملکۂ یادداشت والوں کو چاہئے کہ کسی محقق کے سامنے اپنی حالت پیش کریں اگر وہ کہدے کہ تم واصل ہو گئے ہو تو پھر اس نعمت کا شکر کرو ورنہ محض اپنے علم پر اعتماد نہ کرو اور نہ دو چار جاہلوں کے بزرگ سمجھنے اور بزرگ کہنے سے دہوکہ کھاؤ صائب نے خوب کہا ہے ؎

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسی نتواں گشت بتصدیق خرِ چند

(اپنے گوہر کو کسی صاحب نظر کے سامنے پیش کرو کہ یہ واقعی گوہر ہے یا کانچ کا ٹکڑا ہے کیونکہ چند گدہوں کے کہنے سے تم عیسیٰ نہیں بن سکتے ۱۲) تنخواہ تعلیم کے متعلق ایک معیار میرے ذہن میں ہے میں اسکو عرضکرتا ہوں اگر کسیکے ذہن میں کوئی اور معیار ہو تو بہت اچھا وہ اپنے معیار سے اجرت اور نفقہ میں فرق کرلیں خدا تعالی سے معاملہ ہے اس میں گفتگو اور بحث فضول ہے میرے نزدیک اُجرت اور نفقہ میں فرق کا معیار یہ ہے کہ جو مدرس تنخواہ لیکر پڑھا رہا ہے وہ یہ سوچے کہ اگر کسی جگہہ سے زیادہ تنخواہ آجاوے مثلاً یہاں پچیس ۲۵ روپئے مل رہے ہیں دوسری جگہہ سے پچاس ۵۰ پر انکو بلایا جائے اور پچیس ۲۵ روپئے میں بھی ان کا کام چل رہا ہے مگر کام چلنے کے یہ معنے نہیں کہ دس چھٹانک گھی روزانہ کھا سکتے ہوں اور دو روپئے گز کا کپڑا پہن سکتے ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچیس ۲۵ روپئے میں تألم نہ ہو گو تنغم بھی نہ ہو نیز دوسری جگہہ دین کا نفع بھی یہاں سے زیادہ نہ ہو پھر دیکھنا چاہئے کہ اس حالت میں دوسری جگہہ دُونی تنخواہ پر جاتا ہے یا نہیں اگر نہیں جاتا ہے تو وہ قطعی اس کی تنخواہ نفقہ ہے اور اگر چلا گیا تو اُسکی تنخواہ اُجرت ہے اور یہ کرایہ کا ٹٹو ہے گو گناہ اس میں بھی نہیں کیونکہ متاخرین کا فتوی جواز پر ہو چکا ہے مگر اسکو تعلیم و تدریس میں ثواب بھی کچھہ نہیں کیونکہ اسکا مقصود محض تنخواہ ہے اس حالت میں یہ تعلیم طاعت نہیں غایت ما فی الباب ایک عمل مباح ہے جسپر اُجرت لینا متاخرین کے فتوے میں جائز ہے گو فی نفسہ تعلیم دین طاعت تھی مگر چونکہ اسکی نیت تعلیم دین کی نہیں بلکہ مقصود اُجرت ہے اسلئے لکل امرئ ما نوی کے قاعدہ سے یہ ثواب کا مستحق نہیں البتہ اگر ایک جگہ تنخواہ

اس درجہ قلیل ہو جس میں تنگی اور کلفت سے گذر ہوتا ہو یا گذر تو ہو جاتا ہے مگر وہاں کوئی دوسری
قسم کی تکلیف ہے جیسے باہمی رقابت اور تحاسد و تباغض وغیرہ یا اسکے مثل کوئی اور کلفت ہو
اس صورت میں دوسری جگہہ چلا جانا مذموم نہیں کیونکہ اسکا مقصود زیادہ تنخواہ نہیں بلکہ رفع تالم مقصود ہے
یا ایک جگہہ تنخواہ بھی قلیل ہے اور دین کا کام بھی اسکے ہاتھہ سے یہاں کم ہو رہا ہے اور دوسری جگہہ
تنخواہ بھی زیادہ ہے اور دین کا کام بھی وہاں اسکے ہاتھہ سے زیادہ ہوگا اس صورت میں بھی دوسری
جگہہ جانیکا مضائقہ نہیں جبکہ مقصود یہ ہو کہ میں وہاں جاکر دین کا کام زیادہ کروں گا خدا تعالیٰ سے
معاملہ ہے اس میں اپنی نیت کو دیکھکر خود فیصلہ کرلینا چاہئے لوگوں کے سامنے تو جھس کرکے اگر آپنے
یہ ثابت بھی کر دیا کہ ہماری تنخواہ نفقہ ہے اُجرت نہیں تو خدا کے یہاں یہ تو جھس کام نہ دینگی
میں کہہ رہا تہا کہ جو لوگ خوش استعداد ہیں اور وہ درسیات سے فارغ ہونیکے بعد تعلیم و تدریس ہی
میں لگے رہتے ہیں اُن میں بھی سبکا مقصود زیادت فی العلم نہیں بلکہ بعض کو تو محض تنخواہ ہی مطلوب
ہوتی ہے اور بعض کا مقصود طلبہ میں شہرت ہے کہ تعلیم و تدریس میں نام ہو جائے اور عالم متبحر اور
لائق مدرس مشہور ہو جائیں اور گو بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنکا مقصود علمی ترقی اور زیادت
فی العلم ہے مگر ایسا شخص ایک ہی نکلیگا دس بیس جماعتوں میں سے اور نادر کالعدم ہوتا ہے اسلئے میرا مضمون
پھر بھی قابل اہتمام کے رہا جسمیں شکایت کر رہا ہوں کہ ہم لوگ زیادت فی العلم کو مطلوب نہیں سمجھتے
اسلئے اسکے طالب بہت تھوڑے ہیں اور پھر یہ قلیل افراد بھی طالبِ زیادت فی العلم محض صورت
کے اعتبار سے ہیں یعنی یہ صورتِ علم میں زیادت کے طالب ہیں حقیقتِ علم میں زیادت کے یہ
بھی طالب نہیں کیونکہ حقیقت علم سے تو عموماً اذہان ہی خالی ہیں پھر اُسکے طالب کیونکر ہوں اب
میں حقیقتِ علم اول تعیین کر دوں پھر آیت کو اوسپر منطبق کر دونگا کہ اس سے حقیقت علم میں زیادت
کا مطلوب ہونا کسطرح مفہوم ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے میں اجمالاً زیادت فی العلم کے مقصود
ہونیکی دلیل بیان کرتا ہوں حق تعالٰے سورہ طٰہٰ میں فرماتے ہیں وقل رّبّ زدنی علما
اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امر ہے کہ آپ زیادت فی العلم کے لئے ہمسے دعا کیجئے
جب حضور کو اسکے لئے دعا کا امر ہے تو اس سے زیادت فی العلم کا مطلوب ہونا یقیناً ثابت ہوگیا
اور ظاہر ہے کہ حضور کا علم سب سے بڑھا ہوا ہے جب آپکو بھی طلب زیادت کا امر ہے تو ہم

ہم جیسوں کو تو کیوں نہ ہوگا جنکا علم حضور کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا اب میں ان آیات سے بھی جنکی میں نے تلاوت کی ہے اس مضمون کو ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر پہلے ایک مقدمہ سمجھنا چاہئے کہ ہدایت اور علم میں کیا تعلق ہے آیا جو حقیقت علم کی ہے وہی ہدایت کی ہے یا علم ہدایت کا غیر ہے ہدایت کے معنی طلبہ کو خوب معلوم ہیں کہ اسکے معنی ارادۃ طریق ہیں اور بعض نے اسکو ارادۃ و ایصال الی المطلوب میں مشترک بھی کہا ہے مگر بہت سے محققین کی رائے یہ ہے کہ ہدایت ارادۃ اور ایصال میں مشترک نہیں بلکہ ایصال بھی ارادۃ ہی کا ایک فرد ہے پس یوں کہنا چاہئے کہ ہدایت کے معنے تو ارادت طریق ہی ہیں مگر ارادۃ کی دو صورتیں ہیں ایک ارادۃ من بعید دوسرے ارادۃ من قریب اور ارادۃ من قریب کو ایصال کہتے ہیں اسکے بعد سمجھئے کہ ارادۃ افعال ہے رویت کا اور طلبہ کو معلوم ہے کہ رویت کی دو قسمیں ہیں رویت بصر اور رویت قلب اگر ہدایت حسی ہے تو ارادۃ سے رویت بصر مراد ہے اور ہدایت معنوی ہے تو رویت قلب مراد ہے اور رویت قلب علم ہے پس ہدایت کا حاصل علم کے قریب ہے کیونکہ ہدایت معنوی علم کو مستلزم ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالی کی ہدایت اور اسیطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی ہدایت حسی نہیں بلکہ معنوی ہے پس جب ہدایت تو یقیناً علم سے متوافق اور متقارب ہے تو اگر قرآن میں کسی جگہہ سے زیادت فی الہدی کا مطلوب ہونا معلوم ہوگا اس سے زیادت فی العلم کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہوگا۔ اب سمجھئے کہ ان آیات میں زیادت فی الہدی کی مطلوبیت کا ذکر ہے۔ حق تعالی قرآن کی صفت میں فرماتے ہیں هدى للمتقين اسپر یہ اشکال مشہور ہے کہ متقین تو خود ہی ہدایت یافتہ ہیں انکے لئے ہدایت ہونیکا کیا مطلب ہے اسکے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ متقین میں تاویل کرو کہ اس سے مراد متقی بالفعل نہیں ہیں بلکہ صائرین الی التقوی مراد ہیں جنکو باعتبار مایؤل الیہ کے متقی کہدیا گیا مگر حقیقت ممکن ہوتے ہوئے مجاز لینا خلاف اصل ہے اسلئے راجح توجیہ یہ ہے کہ لفظ متقین اپنے معنی پر رہے اور ہدی میں درجات نکالے جائیں کہ ہدایت کیلئے مدارج مختلفہ ہیں جنمیں سے بعض مدارج کا حصول ان لوگوں کو بھی نہیں ہے جو بالفعل متقی ہیں قرآن انکو ان مدارج کی طرف پہونچاتا ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ ہدایت کے مدارج بہت ہیں رہا یہ کہ زیادت فی الہدی مطلوب ہے اسکی دلیل سورۂ فاتحہ کی آیت اهدنا الصراط المستقيم ہے جسمیں طلب ہدایت

کا امر ہے اور سورۂ بقرہ کو سورۂ فاتحہ سے ربط بھی ہے کہ اُس میں دعائے ہدایت تھی اور اسمیں اجابت دُعا ہے کہ لو یہ کتاب ہدایت ہے اسپر چلو اور اھدنا الصراط المستقیم پر بھی یہی اشکال عود کرتا ہے کہ وہ لوگ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں جنکو یہ دُعا تعلیم کی گئی ہے اسکا بھی یہی جواب ہے کہ مراد زیادت فی الھدیٰ کی طلب ہے اب ھدی للمتقین پر کوئی اشکال نہ رہا کیونکہ اسکا حاصل یہ ہے کہ اور کتابیں تو اَن پڑھوں کو پڑھاتی ہیں اور یہ کتاب پڑھے ہوؤں کو پڑھانے والی ہیں یہ ہدایت یافتوں کے لئے ہدایت ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ہدایت اور علم متقارب ہیں اور یہاں سے زیادت فی الھدیٰ کا مطلوب ہونا ثابت ہے تو زیادت فی العلم کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ یہ مضمون میں دوسری آیات سے بھی بیان کرسکتا تھا مگر مجھے زیادت فی العلم کے اسباب بھی بیان کرنا ہیں جنسے طلبہ غافل ہیں ورنہ وہ اُن اسباب کو ضرور اختیار کرتے نیز مجھے علم اور زیادت فی العلم کی حقیقت بھی بتلانا ہے اور یہ مضامین ان آیات میں مجتمعاً مذکور ہیں اسلئے ان کو تلاوت میں اختیار کیا چونکہ مخاطب اہل علم ہیں اسلئے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں اُنکے لئے اختصار بھی کافی ہے بس میں مختصر طور پر حقیقت علم اور حقیقت زیادت فی العلم اور اُسکے اسباب کو عرض کرتا ہوں اور اسکے لئے شروع سے آیات کا ترجمہ کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں الٓمٓ اسکے معنے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں کسی اور کو معلوم نہیں شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دئے گئے ہوں انکے معانی تفتیش نہ کرنا چاہئے شاید تم یہ کہو کہ تو زیادتِ علم کے منافی ہے جسکی تم ترغیب دے رہے ہو پس اول ان کے معنے بتلاؤ پھر زیادت فی العلم کی ترغیب دینا خصوصاً جبکہ تمکو اسباب زیادت علم بھی معلوم ہیں جنکو اسوقت بتلانیکا وعدہ کیا گیا ہے اور اگر باوجود علم اسباب کے بھی تمکو انکے معنے معلوم نہیں تو امام مقتدی دونوں برابر ہیں کہ دونوں زیادت فی العلم میں کوتاہی کر رہے ہیں اس شبہ کا جواب دینے میں چونکہ اپنے لئے زیادت فی العلم کا اثبات ہے اسلئے بہتر تو یہ تھا کہ میں جواب سے جی چراتا لیکن جواب نہ دینے میں یہ احتمال ہے کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ ان کے معنی معلوم تو ہیں مگر کسی مصلحت سے بیان نہیں کرتا اسواسطے میں جواب دینے پر مجبور ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ مجھے بھی انکے معنے معلوم نہیں اور ہمیں ہیں اور آپ دونوں برابر ہیں رہا یہ شبہ کہ معلوم نہیں تو تلاش کرو اور تلاش نہ کرنا زیادت فی العلم کے منافی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ زیادت

فی العلم میں ایک تفصیل ہے جسکی طرف اسی جزو میں اشارہ ہے اسکو یاد رکھئے آگے چلکر انشاء اللہ وہ تفصیل معلوم ہوجائیگی ذلك الكتاب لا ريب فيه (یعنی الم میں ۱۲) اسکی تفصیل مجھے مقصود نہیں اس جملہ میں قرآن کی مدح ہے کہ یہ کتاب کامل ہے اس میں کوئی بات موجب خلجان نہیں (عہ) رہا یہ شبہ کہ کفار تو اسمیں بہت شبہات نکالتے ہیں اسکا جواب ایک تو مشہور ہے کہ قرآن میں کوئی بات فی نفسہ موجب خلجان نہیں ہے اور شبہ نکالنے والوں کو جو شبہات پیش آتے ہیں اسکا منشا قرآن کے مضامین نہیں بلکہ ان کا قصور فہم ہے اور اگر کسی اندھے کو دن میں طلوع آفتاب میں شک ہو تو اسکے شک سے طلوع آفتاب مشکوک نہیں ہوجاتا اور دوسرے جواب کی طرف ھدی للمتقین میں اشارہ ہے حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ اگر کسیکو قرآن میں کوئی شک وشبہ پیش آتا ہے تو وہ شبہ اسیوقت تک ہے جبتک قرآن کی تعلیم پر عمل نہ کیا جائے اور اگر قرآن کی تعلیم پر پوری طرح عمل کیا جائے تو سب شبہات خود بخود زائل ہوجاتے ہیں کیونکہ قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے پس اہل شبہات کو چاہئے کہ وہ تعلیم قرآن پر عمل کرنا شروع کریں آفتاب آمد دلیل آفتاب

عمل کے بعد معلوم ہوجائیگا کہ حقیقت میں قرآن سرتاپا ہدایت ہی ہدایت ہے اسمیں کوئی امر موجب خلجان نہیں ۱۲ جامع) ھدی للمتقین اس سے میرا مقصود متعلق ہے جسکی تقریر اوپر مذکور ہوچکی اور میں ثابت کرچکا ہوں کہ اس آیت سے زیادت فی الھدی مفہوم ہوتی ہے اور اھدنا الصراط المستقیم کو اسکی ساتھ ملانے سے اس زیادت کا مطلوب ہونا ثابت ہے اب اسباب زیادت علم اور حقیقت علم کا بیان رہ گیا سو ھدی للمتقین ہی میں اسکی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ قرآن ہدایت ہے متقیوں کیلئے اور یہ ابھی معلوم ہوچکا کہ یہاں نفس ہدایت مراد نہیں کیونکہ نفس ہدایت تو متقین کو پہلے سے حاصل ہے بلکہ زیادت ہدایت مراد ہے تو معلوم ہوگیا کہ زیادت فی الھدی اور زیادت فی العلم کسکو حاصل ہوتی ہے متقیوں کو حاصل ہوتی ہے اور اسی سے سبب زیادت بھی معلوم ہوگیا کہ وہ تقوی ہے کیونکہ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب کسی حکم کو کسی معنی وصفی کیساتھ متعلق کیا جاوے تو اوس معنی وصفی کو حکم میں دخل ہوتا ہے جیسے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما اور

عہ یہ سوال وجواب مسودہ میں مذکور نہیں صرف اجمالی اشارہ ہے جسکی دلالت اس تفصیل پر واضح نہیں اور تفہیم ضروری تھی اسلئے قوسین میں کردیا گیا ۱۲

جیسے اعدت للکافرین ای اعدت لھم لکفرھم ۱۲ جامع) نیز اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حقیقتِ علم کیا ہے حقیقت علم وہ ہے جو تقوی سے بڑھتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ تقوی سے صورت علم میں تو زیادت نہیں ہوتی یہ نہیں ہو سکتا کہ تقوی سے مدارک اور بیضاوی ختم ہو جائے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور چیز ہے جو صورتِ علم کے علاوہ ہے جو تقوی ہی سے بڑھتی ہے کتابوں سے حاصل نہیں ہوتی یہاں سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی جو محض صورتِ علم میں زیادت کے طالب ہیں اور حقیقتِ علم سے غافل ہیں اب رہا یہ کہ وہ حقیقتِ علم ہے کیا چیز اسکی تعیین کرنا چاہئے تو جن لوگوں کی نظر حدیثوں پر ہے وہ اسکو جانتے ہیں بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے بعض لوگوں نے اُنکے زمانہ میں یہ مشہور کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں جو دوسروں کو نہیں بتلائے گئے غضب یہ کہ تصوف کی بعض کتابوں میں بھی لکھدیا ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نوے ہزار علوم عطا کئے گئے تھے تیس ہزار تو عام کر دئے گئے اور تیس ہزار خواص کو بتلائے گیے اور تیس ہزار خاص حضرت علی کو عطا ہوئے اور اسکے متعلق ایک لمبا قصہ ہے کہ حضور نے اول حضرت ابو بکر سے پوچھا کہ اگر ہم تمکو وہ خاص علوم بتلا دیں تو تم کیا کرو گے انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں خوب عبادت کرونگا اور جہاد میں کوشش کرونگا آپنے فرمایا تم اُنکے اہل نہیں (نعوذ باللہ) پھر حضرت عُمر سے پوچھا انھوں نے کہا کہ میں دوسروں کو ہدایت کرونگا اور کفار پر سختی کرونگا حضور نے فرمایا کہ تم بھی اسکے اہل نہیں پھر حضرت عثمان سے پوچھا اونھوں نے بھی کچھ ایسا ہی جواب دیا وہ بھی اہل نہ نکلے پھر حضرت علی سے پوچھا انھوں نے کہا میں مخلوق کی ستاری کرونگا حضور نے فرمایا ہاں تم اہل ہو پھر اُنکو وہ تیس ہزار علوم عطا ہوئے کسی نے خوب فرصت میں بیٹھکر گھڑی ہے بھلا اُنسے کوئی پوچھے کہ معراج میں جو باتیں حضور سے ہوئی تھیں کیا تم اُنکو سن رہے تھے جو تمکو ان کی مقدار بھی معلوم ہوگئی ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ معراج میں حضور سے حق تعالے نے کیا باتیں کی تھیں انھوں نے خوب جواب دیا ؎

الکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان | بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

غرض حضرت علی کے متعلق لوگوں کا یہ خیال اُنکی حیات ہی میں ہو گیا تھا کہ انکو کچھ خاص علوم عطا ہوئے ہیں جسکی وجہ یہ تھی کہ معارف و حکم حضرت علی کی زبان سے بہت ظاہر ہوتے تھے اس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا پھر بعض نے خود حضرت علی سے اسکو دریافت کیا ہل خصکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشئی دون الناس کیا حضور نے آپکو دوسرے مسلمانوں سے الگ کوئی خاص چیز عطا فرمائی ہے آپنے دو جواب دئے ہیں ایک جواب قال لا الا مافی ھذہ الصحیفۃ فرمایا ہرگز نہیں مگر صرف وہ احکام جو اس صحیفہ میں لکھے ہوئے ہیں (اس میں صدقات اور دیت کے احکام تھے جنکا خاص ہونا سبکو معلوم ہے) دوسرا جواب قال ماخصنا رسول اللہ علیہ وسلم الا فہما اوتیہ الرجل فی القراٰن - یعنی ہمکو کوئی خاص عطا نہیں ہوئی مگر ایک فہم جو حق تعالیٰ کسی بندہ کو قرآن میں عطا فرمادیں - حاصل جواب کا یہ تہا کہ جو علوم مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان کا منشا یہ نہیں کہ حضور نے مجھے کچھ خاص علوم دوسرے مسلمانوں سے الگ بتلائے ہیں بلکہ اسکا منشا خاص فہم ہے جو حق تعالیٰ نے قرآن یعنی دین میں مجھے عطا فرمائی ہے یہی ہے حقیقت علم جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے وہ فقہ جسکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ گراں ہے اس سے درسی فقہ مراد نہیں کیونکہ محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ یہ وہ معرفت ہے جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے جس سے عارف کو دین کی سمجھ بوجھ ایسی کامل ہو جاتی ہے کہ شیطان کے تمام تار و پود کو توڑ دیتا ہے شیطان بعض دفعہ دنیا کو دین کی صورت میں ظاہر کرتا ہے عارف اس دہوکہ کو سمجھکر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے لوگ دہوکہ سے بچ جاتے ہیں اسلئے وہ شیطان پر گراں ہے اسی علم کی فضیلت میں یہ حدیث وارد ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین یہ علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں نحن امۃ امیون لا نکتب ولا نحسب بتلائیے صحابہ نے کیا لکھا پڑھا تھا کچھ بھی نہیں بلکہ بعضے تو اُن میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اور بعض صحابہ فتاوی کو تابعین کے حوالہ کر دیتے تھے مگر با این ہمہ علوم میں وہ سب سے افضل تھے چنانچہ عبد اللہ بن مسعود صحابہ

کی شان میں فرماتے ہیں اعمقہ علما کہ امت میں سب سے بڑھکر صحابہ کا علم عمیق ہے آخروہ کونسا علم تھا کیا درسی اور کتابی علم تھا ہرگز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالٰے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے انکو عطا فرمایا تھا جس میں اُن کے تقوی سے ترقی ہوتی رہتی تھی اور یہی وہ علم ہے جسکے متعلق امام شافعی رح کا قول ہے ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترك المعاصی

آخروہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں کیا وہ کتابی علم ہے ہرگز نہیں کتابی علم تو جسکا حافظہ قوی ہوگا اسکو زیادہ یاد رہیگا ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہوسکتا ہے بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہمسے زیادہ مسائل واحادیث یاد ہوجائیں چنانچہ بیروت میں بعضے عیسائی ہماری حدیث اور فقہ کے بڑے جاننے والے ہیں اور جرمن کے ایک مدرسہ کا حال ایک شخص نے کسی سیاح سے نقل کیا ہے کہ وہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے کسی کمرہ کا نام دارالفقہ ہے کسی کا نام دارالحدیث ہے اور وہاں بخاری ہدایہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور پڑھنے والے پڑھانے والے سب عیسائی کافر ہیں اور وہ لوگ اختلافیات کو بہت شرح و بسط کیساتھ بیان کرتے ہیں کیونکہ جرمن میں کتب خانہ بڑا ہے اُس میں ہماری نایاب کتابیں اسقدر ہیں کہ ہمنے ان کتابوں کا نام بھی نہیں سُنا۔ تو امام شافعی کی مراد کتابی علم میں سوء حفظ کی شکایت نہیں امام وکیع کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علم میں قلت حفظ کی شکایت کررہے تھے جس میں معاصی کو دخل تھا یہی ہے حقیقت علم اور یہی وہ چیز ہے جسکی وجہ سے مجتہدین مجتہد ہوئے ہیں ورنہ وسعت نظر اور کثرت معلومات میں تو ممکن ہے کہ بعض مقلدین مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں خوب کہا ہے ؎

نہ ہرکہ چہرہ برافروخت دلبری داند ۔۔۔ نہ ہرکہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریکتر زمو ایں جاست ۔۔۔ نہ ہرکہ سر بتراشد قلندری داند

بس اس سے زیادہ بیتہ میں اس حقیقت کا نہیں بتلا سکتا ظاہر میں تو چھوٹا سا لفظ ہے فہما اوتیہ الرجل فی القرآن مگر یہ کہ وہ فہم کیا چیز ہے اور کسدرجہ کی ہوتی ہے اُسکے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ بس اُسکے سمجھنے کا طریقہ یہی ہے کہ تقوی اختیار کرکے دیکھ لو۔ الفاظ سے کمالات

حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہو سکتی ؎

پرسید کسیکہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ما شوی بدانی

مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ امور ذوقیہ کی حقیقت بیان سے سمجھ میں نہیں آسکتی دیکھو اگر کسی نے آم نہ کھایا ہو اور تم اُس سے آم کی تعریف کرو کہ ایسا لذیذ اور ایسا میٹھا ہوتا ہے تو وہ کھیگا کہ گڑ جیسا ہوتا ہے تم کہوگے نہیں وہ کہیگا شکر جیسا یا انگور و انار جیسا تم کھوگے نہیں پھر وہ اصرار کریگا کہ بتلاؤ کیسا ہوتا ہے تم یہی کھوگے کہ بھائی ہمکو اسکے بیان پر قدرت نہیں ایک دفعہ کھا کر دیکھ لو خود معلوم ہو جائیگا اس وقت اس شخص کو تعجب ہوگا اور اس بات کا یقین نہ کریگا کہ بیان پر قدرت نہیں مگر جب کھالیگا تو اب وہ بھی بیان پر قادر نہ ہوگا تو یہ بات کچھ کمالات حقیقیہ ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ محسوسات میں بھی جس چیز کا ذوق سے تعلق ہے وہ الفاظ سے بیان نہیں ہو سکتی ایک ترکی امیر کا قصہ ہے کہ اوسکی مجلس میں مطرب ایک غزل پڑھ رہا تھا جسکے اشعار میں نمی دانم بار بار آتا تھا مثلاً ؎

گلی یا سوسنی یا سرو یا ماہی نمیدانم ازیں آشفتہ بیدل چہ میخواہی نمیدانم

وہ ترک شراب پئے ہوئے تھا ایک دو شعر تو اوسنے سُنا جب اسنے بار بار اسی نمیدانم نمیدانم کا اعادہ کیا تو اُس نے ایک گھونسہ مارا کہ ایں نمی دانی چہ گوئی انچہ میدانی بگو یعنی جس بات کو نہیں جانتا اسکو بار بار کیوں دہراتا ہے جو جانتا ہے وہ کہہ یہ قدر کی اُس نے شعر کی تو بات کیا تھی کہ اسکو شعر کا ذوق نہ تھا اگر ذوق ہوتا تو مست ہو جاتا لیکن جسکو شعر میں مزہ آتا ہے اُس سے ذرا پوچھئے تو کہ شعر میں کیسا مزہ ہوتا ہے بس یہی کہیگا کہ بیان پر قدرت نہیں۔ ذوق حاصل ہونے سے پہلے تو آپکو یقین نہ آئیگا مگر ذوق حاصل ہونے کے بعد آپ بھی یہی کہیں گے جیسے ایک بزرگ کا قصہ ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارے ولی مرتے جاتے ہیں مگر برزخ کی خبر کوئی نہیں دیتا کہ وہ عالم کیسا ہے حالانکہ بعض اولیا اس درجہ کے بھی ہیں جو مرنے کے بعد خبر دے سکتے تھے اچھا ہم ضرور بتلادیں گے جب ہمکو دفن کیا جائے تو ہماری قبر میں قلم دوات کاغذ رکھدیا جائے ہم وہاں کے حالات لکھکر دینگے تیسرے دن ہماری قبر پر آنا کاغذ وغیرہ قبر کے اوپر ملیگا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تیسرے دن

حسب وعدہ کاغذ دوات قلم باہر رکھا ہوا تھا اور یہ لکھا ہوا تھا کہ حقیقت تو بغیر گذرے نہیں معلوم ہو سکتی اور پتہ اس سے زیادہ کوئی نہیں دیسکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرما دیا ہے سچ ہے ؎ انرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ اور اگر کوئی کمالات حقیقیہ کو الفاظ سے سمجھنا اور سمجھانا بھی چاہے تو وہی ٹیڑھی کھیر کا سا قصہ ہوگا کہ ایک لڑکا ایک مادر زاد اندھے حافظ جی کے پاس آیا اور کہا حافظ جی دعوت ہے کہنے لگے کیا کھلاویگا اس نے کہا کھیر پوچھا کھیر کیسی ہوتی ہے لڑکے نے کہا سفید ہوتی ہے حافظ جی نے سفید سیاہ کو کب دیکھا تھا پوچھا سفید کیسے کہتے ہیں لڑکے نے کہا جیسے بگلا پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے لڑکے نے ہاتھہ کو موڑ کر دکھلایا کہ ایسا ہوتا ہے حافظ جی نے اسکے ہاتھہ پر ہاتھہ پھیرا اور کہا بھائی یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے جا میں نہیں دعوت کھاتا یہ تو میرے گلے میں اٹک جاویگی دیکھئے چونکہ کھیر کے اوصاف ذوقی چیز تھی اسلئے الفاظ سے سمجھہ میں نہ آسکی اور کہانسے کہاں نوبت پھونچ گئی بس اسکا سیدھا جواب یہ تھا کہ حافظ جی ایک لقمہ منہ میں لیکر دیکھو خود معلوم ہو جائیگا کہ کیسی ہوتی ہے بس یہی میں کہتا ہوں کہ حقیقت علم جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے الفاظ سے آپ اسکی حقیقت نہیں سمجھ سکتے بس تقوی اختیار کر کے دیکھہ لو۔ ہاں پتہ بتلانے کے لئے اتنا کہتا ہوں کہ حقیقت علم جسکو حاصل ہوتی ہے اُسکے قلب پر غیب سے وہ علوم وارد ہوتے ہیں جو کتابوں میں نہیں مل سکتے مولانا فرماتے ہیں ؎

علم چوں بر تن زنی مارے شود ۔ علم چوں بر دل زنی یارے شود

بینی اندر خود علوم انبیاء ۔ بے کتاب و بے معید و اوستا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ علوم وہبی ہیں کسبی نہیں ہیں اسکے متعلق ایک روایت میں آیا ہے من عمل بما علم به علمه الله مالم یعلم آجکل لوگوں نے کثرت معلومات کو علم سمجھہ لیا ہے حالانکہ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علم اور معلومات کا عجیب فرق منقول ہے ایک مرتبہ مولانا نے فرمایا کہ لوگ تو حاجی صاحب کے معتقد ہوئے زہد و تقوی سے یا کثرت عبادت سے یا کرامات سے

اور میں معتقد ہوا علم سے - اسپر لوگوں کو حیرت ہوئی کہ حاجی صاحب میں اتنا علم کہاں تھا جس سے مولانا معتقد ہو جائیں ظاہر میں تو حاجی صاحب سے مولانا کا علم بڑھا ہوا تھا حاجی صاحب نے تو کافیہ ہی تک پڑھا تھا مگر علم کی حالت یہ تھی کہ کافیہ پڑھنے ہی کے زمانہ میں حاجی صاحب مشکوۃ شریف کی درس میں بھی بیٹھ جایا کرتے تھے جو مولوی قلندر صاحب جلال آبادی کے یہاں ہوتی تھی درس کے بعد جب طلبہ میں کسی حدیث کے متعلق اختلاف ہوتا تو حاجی صاحب اسکا مطلب بیان فرماتے بعض دفعہ طلبہ حاجی صاحب سے الجھتے کہ نہیں یہ مطلب نہیں ہے اور تقریر میں آپکو دبا لیتے کیونکہ حضرت حاجی صاحب کی عادت مناظرہ کی نہیں تھی مگر جب مولوی محمد قلندر صاحب کو اس اختلاف کی خبر ہوتی تو ہمیشہ حاجی صاحب کی بات کو صحیح بتاتے تھے۔ اسیطرح ایک دفعہ مولانا شیخ محمد صاحب سے مثنوی کے ایک شعر میں اختلاف ہوا حاجی صاحب کے بیان کئے ہوئے کو اسوقت تو مولانا شیخ محمد صاحب نے نہ مانا مگر ایک بار مثنوی کے درس میں وہ شعر آیا تو مولانا نے وہی مطلب بیان فرمایا حاجی صاحب حجرہ میں تھے باہر نکلکر سلام کیا مولانا نے اقرار کیا کہ واقعی میں غلطی پر تھا آخر یہ کیا بات تھی یہ وہی علم حقیقی تھا جو حاجی صاحب کو تقوے کی بدولت عطا ہوا تھا اسیکو مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ میں علم کیوجہ سے حاجی صاحب کا معتقد ہوا ہوں لوگوں نے اسکا راز پوچھا پھر آپنے فرمایا کہ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں اور یہ فرق بیان فرمایا کہ دیکھو ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں ان دونوں میں فرق ہے یعنی ایک تو وہ شخص ہے جسنے سیاحت بہت کی ہے مگر اسکی نگاہ کمزور ہے اور ایک شخص نے سیاحت تو کم ہے مگر نگاہ بہت تیز ہے تو جسکی نگاہ کمزور ہے اور اُسنے سیاحت بہت کی ہے اُسکی مبصرات تو زیادہ ہیں مگر کسی مبصر کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ اُسنے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں ہر چیز کو سرسری طور پر یوں ہی دیکھا ہے اور جسکی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی اسکے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اُسکی پوری حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے بس یہی فرق ہے ہمارے میں اور حاجی صاحب میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کے معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے اسلئے اُنکے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہونچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہونچتے اسی فرق کو ایک دفعہ یوں بیان فرمایا کہ ہمارے ذہن میں تو اول مقدمات آتے ہیں پھر اُن سے نتیجہ خود

نکالتے ہیں جو کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط اور حاجی صاحب کے قلب میں اول نتائج صحیح وارد ہوتے ہیں اور مقدمات اوسکے تابع ہوتے ہیں غرض جیسے کثرت مبصرات کا نام ابصار نہیں اسیطرح کثرت معلومات کا نام علم نہیں بلکہ علم یہ ہے کہ ادراک سلیم اور قوی ہو جس سے نتائج صحیحہ تک جلد وصول ہو جاتا ہو یہی ہے حقیقتِ علم جو فقط پڑھنے پڑہانے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسکے اور اسباب ہیں منجملہ اون کے ایک سبب تو دُعا ہے جو اھدنا الصراط المستقیم میں مذکور ہے: دوسرا سبب تقوی ہے جو ھدی للمتقین میں مذکور ہے اور تقوی سے یہ مراد نہیں کہ ذکر و شغل اور مراقبات کیا کرو یہ تو زینت تقوی ہیں۔ تقوی کی حقیقت اور ہے جسکو خدا تعالیٰ ہی سے پوچھہ لو حق تعالیٰ نے اسی مقام پر تقوی کی حقیقت بھی بیان فرمائی ہے الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون ۵ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون اس جگہ حق تعالیٰ نے عقائد اور عبادات بدنیہ ومالیہ (اور معاملات[۵]) کے اصول بیان فرما دئے ہیں پس حاصل یہ ہوا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو دین میں کامل ہوں کہ اُنکے عقائد بھی صحیح ہوں اور عبادات بدنیہ ومالیہ (اور معاملات) میں بھی کوتاہی نہ کرتے ہوں اور یہی خلاصہ ہے کمال فی الدین کا۔ مگر یہ تفسیر اسپر موقوف ہے کہ الذین یومنون بالغیب الخ صفت کاشفہ ہو اور اگر صفت کاشفہ نہ بھی ہو جب بھی میرا مدعیٰ حاصل ہے کیونکہ میرا مقصود یہ ہے کہ تقوی زیادتِ علم کا سبب ہے اب چاہے وہ تقوی اس مجموعہ کا نام ہو جو مجموعہ آیات میں مذکور ہے یا اس مجموعہ سے جو حالت بسیطہ پیدا ہوتی ہے اُسکا نام ہو جو للمتقین کا مدلول ہے اس میں بحث کرنیکی مجھے ضرورت نہیں باقی یہ ظاہر ہے کہ تقوی کیلئے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے اور وہ جبھی ہوسکتا ہے کہ مامورات کو بھی بجالایا جائے کیونکہ ترک مامور بہ بھی معصیت ہے اسکا ترک بھی تقوی کے لئے ضروری ہے اب چاہے تقوی کو مرکب مانو یا بسیط وجودی مانو یا عدمی اسکے لئے عقائد واعمال ومعاملات کی درستی بہرحال ضروری ہے خواہ شرطاً یا شطراً۔ مگر ایک دوسری

[۵] کتب سابقہ کیساتہہ ایمان کا تذکرہ کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو معاند اور ہٹ دہرم نہ ہونا چاہئے کہ صرف اُسی چیز کو مانے جسکا تعلق اپنے سے ہے اور جس چیز کا تعلق غیر سے ہو اسکو نہ مانے بلکہ مسلمان کو منصف اور عادل ہونا چاہئے کہ جتنی بات جسکی بھی سچی ہو اسکو مانے پس انجیل و توریت کا گو ہمسے عمل کے طور پر تعلق نہیں مگر اتنی بات تو سچی ہے کہ یہود و نصاری پر یہ کتابیں خدا تعالیٰ کیطرف سے نازل ہوئی تہیں پس اسکا انکار نہ کرنا چاہئے اور اونکو بھی منزل من اللہ ماننا چاہئے ہاں یہود وغیرہ نے جو ان میں تحریف کی ہے اسکا انکار ضرور کیا جائے اس تعلیم میں مسلمانوں کو عدل و انصاف کی تاکید ہے کہ مخالفت میں بھی حد سے نہ بڑھیں اور یہی اصل الاصول ہے تمام تر معاملات کا فافہم ۱۲ ظ

آیت سے بھی راجح معلوم ہوتا ہے کہ الذین یومنون بالغیب الخ صفت کاشفہ ہی ہے اور یہ سب اعمال
حقیقت تقوی میں داخل ہیں گو لغۃً تقوی کا مفہوم عدمی ہو مگر شرعاً مفہوم عدمی نہیں ہے بلکہ شرعاً
تقوی کی حقیقت کمال فی الدین ہے جس پر وہ دوسری آیت دال ہے وہ دوسری آیت یہ ہے لیس البر
ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ
والکتاب والنبیین ط یہانتک تو عقائد کا ذکر ہے اور مفسرین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہاں البر سے
مراد بر کامل ہے تو برّ کامل کا ایک جزو تو تصحیح عقائد ہے آگے فرماتے ہیں واتی المال علی حبہ ذوی
القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب یہ حقوق مالیہ کا اور حسن
معاشرت کا ذکر ہے واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ اسمیں عبادات بدنیہ و مالیہ کا ذکر ہے والموفون
بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین البأس اس میں
اصول اخلاق کا ذکر ہے غرض اعمال ظاہرہ اور طاعات مالیہ و بدنیہ اور اعمال قلبیہ وغیرہ سب اس آیت
میں موجود ہیں ان سبکو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے اولئک الذین صدقوا واولئک ھم
المتقون۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ متقی وہ ہے جو ان سب اوصاف سے متصف ہو پس
ثابت ہوا کہ تقوی کی حقیقت کمال فی الدین ہے اور تصحیح عقائد و ادائے طاعات بدنیہ و مالیہ و اصلاح
معاملات و معاشرات سب اسکے اجزا ہیں اب الذین یومنون بالغیب الخ کا صفت کاشفہ
ہونا بالکل صحیح ہے پس تقوی محض ذکر و شغل کا نام نہیں یہ تو اسکی زینت ہے بلکہ تقوے ان اعمال کے بجالانیکا
نام ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ دین میں کامل ہونیکا نام تقوی ہے پس
ھدی للمتقین کا حاصل یہ ہوا کہ زیادت ہدی اور زیادتِ علم کا سبب کمال فی الدین ہے اسکا طلب بالکل
اہتمام نہیں اور اس میں وہ بیحد کوتاہیاں کرتے ہیں ان کوتاہیوں کی تفصیل میں کہانتک کروں اور
کس کس بات کو بتاؤں ذرا کوئی شخص دو ہفتے کسی محقق کے پاس رہے اور اس سے اپنی اصلاح
کی درخواست کرے اور وہ محقق بھی ایسا ہو جو بے تکلف روک ٹوک کرتا ہو تب ان کو اپنی کوتاہیوں
کی حقیقت معلوم ہو۔ تقوی کی ایک ادنی نظیر بتلاتا ہوں کہ لکھنؤ میں ایک بیرنگ کارڈ میرے نام
آیا میں موجود نہ تھا میرے رفیقوں نے اسے واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ شاید نہ لے ڈاکئے نے
اون سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اسکو پڑھ سکتے ہیں اور مکتوب الیہ کو اطلاع کر سکتے ہیں تو اسکو پڑھکر

واپس کردیجئے میرے رفیقوں نے کہا کہ یہ تو جائز نہیں کیونکہ جب ہمنے پڑھ لیا تو اُس سے انتفاع ہو گیا انتفاع کے بعد واپس کرنیکا کیا حق ہے۔ بتلائیے اسوقت کارڈ کے پڑھنے سے کون چیز مانع ہوئی جبکہ ڈاکیا خود اجازت دے رہا تھا صرف خوفِ خدا مانع تھا اور تقوی خوف خدا ہی سے حاصل ہوتا ہے طلبہ میں جو تقوی کی کمی ہے اسکا سبب یہی ہے کہ خدا تعالی سے خوف نہیں ہے اب تو یہ حالت ہے کہ جس کام کو کرنا چاہتے ہیں اُسکو گھیر گھار کر جائز کر لیتے ہیں گو دل میں جانتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ اور اساتذہ بہت نیک کام کرتے ہیں ہم بھی اُنکی ساتھ بخشے جائیں گے قیامت میں وہ ہمکو بخشوالیں گے یہ تو وہی حالت ہے وقالت الیهود والنصاریٰ نحن ابناء الله واحباءه انکو بھی اپنے نبی زادے اور صاحب علم ہونے پر ناز تھا مگر حق تعالےٰ نے اس گھمنڈ کو بالکل باطل کر دیا۔ کیا تمنے یہ حدیث نہیں سنی ویل لمن لا یعلم ولوشاء الله لعلمه واحد من الویل وویل لمن یعلم ولا یعمل سبع من الویل (ص عن جبلۃ مرسلا ای رواہ سعید بن منصور فی سننه کذا فی العزیزی ص۱۷۱ ج ۳)

(یعنی جاہل کیلئے ایک ہلاکی ہے اور عالم کے لئے سات گونہ ہلاکت ہے ۱۲) آخر اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے کیا کوئی دوسری مخلوق پیدا ہو گی کیا یہ تعلیمات ہمارے واسطے نہیں ہیں ایک کوتاہی طلبہ میں یہ ہے کہ امارد کی طرف نظر کرنے اور انکی ساتھ اختلاط کرنے سے نہیں بچتے حالانکہ یہ تقوی کیلئے سم قاتل ہے آخرت کا مواخذہ تو شدید ہے ہی اس سے دنیا میں بھی اہل علم کی سخت بدنامی ہوتی ہے علم دین پڑھنے والوں کو اس باب میں سخت احتیاط کرنا چاہیئے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ چندہ میں احتیاط نہیں کرتے اہل وجاہت کے دباؤ سے چندے وصول کرتے ہیں۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ طلبہ میں اوستادوں کا ادب نہیں ہے اور جن استادوں کا ادب کرتے ہیں وہ استادی کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ بزرگی اور شہرت کیوجہ سے ہے استادی کا ادب ہوتا تو جو استاد مشہور بزرگ اور مقتدا نہیں ہیں ان کا بھی ادب کیا جاتا کیونکہ استادی کا حق تو انکو بھی حاصل ہے کانپور میں ایک مدرسہ کے ایک طالب علم نے مجھسے خود بیان کیا کہ اس سال استاد نے تو تصریح پڑھنے کی رائے دی تھی مگر میری زبان سے شرح چغمنی کا نام نکل گیا تھا بس مجھے اسکی ضد ہو گئی اور وہی شروع کر کے چھوڑی اسیطرح ایک مدرسہ میں کسی کتاب کے ختم پر طلبہ اور استاد

کی تو یہ رائے ہوئی کہ شمس بازغہ ہونا چاہئے ایک طالب علم کی یہ رائے ہوئی کہ نہیں صدرا ہونا چاہئے خیر شمس بازغہ ہی منظور ہوگیا تو آپ شبکو استاد کے پاس پہونچے اون کو مکان سے باہر بلاکر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب خیریت اسی میں ہے کہ صدرا ہو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بھلا اس حالت میں ان کمبختوں کو کیا علم حاصل ہوگا بس کتابیں ختم کرلیں گے مگر علم جسکا نام ہے اسکی ہوا بھی نہ لگیگی۔ پھر حیرت یہ ہے کہ جو استاد گھر پر پڑھاتے ہیں اُن کی تو کچھ قدر بھی ہوتی ہے لڑکوں کو بھی اور ماں باپ کو بھی حالانکہ انکو خود تنخواہ دیتے ہیں اور ان مدارس کے استادوں کی تو ذرا بھی قدر نہیں حالانکہ انکو طلبہ یا طلبہ کے والدین تنخواہ بھی نہیں دیتے جسکا زور ہو بلکہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے مگر طلبہ انکی نافرمانی زیادہ کرتے ہیں اور مدرسین انکو کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اندیشہ بھاگ جانیکا ہے اور طلبہ کے بھاگ جانے سے چندہ کم ہوجائیگا معلوم ہوا کہ اہل مدارس کو چندہ مقصود ہے اسلئے طلبہ کو فراہم رکھا جاتا ہے لیکن چندہ کی غایت پوچھی جائے تو طلبہ کی امداد واعانت کا نام لیا جاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دَور کیسا ہے کہ چندہ سے مقصود طلبہ ہیں اور طلبہ سے مقصود چندہ ہے اسی لئے طلبہ مدارس کے استادوں کی قدر نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ کا بقا ہمارے ہی وجود سے ہے اگر ہم نہ ہوں گے تو مدرسہ بھی نہ ہوگا اسلئے وہ جسطرح چاہیں استادوں کو نچاتے ہیں مگر یاد رکھو اسطرح علم نہیں حاصل ہوگا یہ دولت ادب سے ہی حاصل ہوتی ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے کسی نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفوق علمی کا سبب پوچھا تھا تو میرے سامنے فرمایا کہ مولانا کے اس تفوق علوم کے بہت سے اسباب ہیں منجملہ اون کے ایک سبب یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اپنے استادوں کا ادب بہت کرتے تھے آہ چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک گندہ ہی مولانا سے ملنے کو گیا اور کہا میں تھانہ بھون کا رہنے والا ہوں بس یہ سنکر مولانا پر بیحد اثر ہوا اسکی خاطر و مدارات میں بچھے جاتے تھے محض اسلئے کہ وہ تھانہ بھون کا رہنے والا تھا جو وطن ہے اپنے مرشد کا افسوس ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اکابر کے جاہل ہموطنوں کا اتنا ادب کرتے تھے اور آجکل خود اکابر کا بھی ادب نہیں کیا جاتا صاحبو علماء کا ادب بہت ضروری ہے حدیث میں ہے من لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا (ولم یجل عالمنا) فلیس منا یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑے کی تعظیم نہ کرے (اور عالم

کا ادب نہ کرے) وہ ہم میں سے نہیں ہے یہ کس قدر سخت وعید ہے مگر افسوس طلبہ اسپر عمل نہیں کرتے پھر علاوہ اسکے کہ یہ اساتذہ عالم ہیں اور بڑے ہیں ان کا ادب اسلئے بھی ضروری ہے کہ وہ وارثان رسول ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ اور ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون اور ولا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا اور ارشاد ہے واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشقدمی نہ کرو اور آپکے سامنے زور سے (چلا چلا کر) باتیں نکرو اور رسول کو اسطرح نہ پکارو جیسا آپس میں ایک دوسرےکو پکارا کرتے ہو (بلکہ ادب سے بات کرو) اور جب آپکے پاس مجمع میں بیٹھے ہوئے ہو تو بدون اجازت کے وہاں سے نہ اٹھو۔ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں حضور کے بعد آپکے خلفاء اور وارثان علم کے بھی وہی حقوق ہیں کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں بلکہ جس حدیث میں تبجیل علماء کی تاکید ہے وہ ان احکام کے عموم پر دال ہے وارثان رسول کیلئے۔ اسیواسطے سلف نے وارثان رسول کا وہی ادب کیا ہے جو ان آیات میں حضور کے لئے مذکور ہے بہر حال استادوں کا ادب بھی تقوی میں داخل ہے جو اس میں کوتاہی کریگا وہ متقی نہ ہوگا اور اس میں کوتاہی کا بڑا سبب یہی ہے کہ طلبہ کو تقوی کا اہتمام نہیں۔ میں تقوی کے متعلق آپکو ایک گر بتلاتا ہوں اسکو یاد رکھئے وہ یہ کہ گو نوافل اور ذکر و شغل زیادہ نہ ہو مگر ورع یعنی ترک معاصی و مناہی کا زیادہ اہتمام کرو حدیث میں ہے لا تعدل بالرعۃ (?) ورع کی برابر کسی چیز کو نہ کرو تم اب میں اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں جو اثناء بیان میں کیا تھا کہ زیادت فی العلم میں تفصیل ہے وہ یہ کہ زیادت فی العلم ان علوم میں مقصود ہے جنکا اظہار کیا گیا ہے اور جن علوم کا اظہار نہیں کیا گیا ان میں یہ زیادت مقصود نہیں حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قدر میں کلام کیا اسپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور فرمایا الھذا خلقتم ام بھذا امرتم ام بھذا ارسلت الیکم لقد ھلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی القدر عزمت علیکم عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیہ (رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوۃ) اب میں اسکی تعیین کرتا ہوں کہ کن علوم کا اظہار

کیا گیا ہے اور کن علوم کا اظہار نہیں کیا گیا اسکا معیار یہ ہے کہ بعض علوم تو وہ ہیں جنکو قرب و بعد میں دخل ہے جیسے مامورات ومنہیات ان کو تو شریعت نے ظاہر کیا ہے صحابہ کو انہی میں زیادت کا اہتمام تھا حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کانوا یسئلون النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت اسئلہ عن الشر مخافۃ ان اقع فیہ (او کما قال) کہ صحابہ تو حضور سے خیر کی باتیں زیادہ پوچھتے تھے (جنکو قرب میں دخل تھا) اور میں آپ سے شر کے متعلق بہت سوال کرتا تھا تاکہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں جس سے بُعد ہو جاوے اسیکو کسی نے کہا ہے ؎

عرفت الشر لا للشر لکن لتوقیہ ومن لا یعرف الشر من الخیر یقع فیہ

ان علوم میں تو زیادت مطلوب ہے۔ دوسرے وہ علوم ہیں جنکو قرب و بعد میں دخل نہیں جیسے قدر کی حقیقت معلوم کرنا پل صراط کی حقیقت معلوم کرنا اور یہ جاننا کہ نماز پنجوقتہ کیوں مقرر ہوئی ہے کم و بیش کیوں نہ ہوئی اسکی کچھ ضرورت نہیں نہ اسکے جاننے سے کچھ قرب میں ترقی ہے نہ عدم علم سے کچھ بُعد ہے ان علوم کو اسرار کہا جاتا ہے اور اسکے مقابل ان علوم کو جنہیں قرب و بعد میں دخل ہے انوار کہنا چاہئیے یہ لقب ان کیلئے اس واسطے مناسب ہے کہ نور کی شان ظاہر فی نفسہ مظہر لغیرہ اور یہ علوم بھی ایسے ہی ہیں کہ فی نفسہ خود ظاہر ہیں اور انپر عمل کرنے سے اسرار بھی منکشف ہونے لگتے ہیں گو ان کا جاننا مقصود نہیں مگر ہاں انکے حصول کا طریقہ یہ نہیں کہ اسرار کو بلا واسطہ طلب کیا جائے بلکہ طریقہ یہ ہے کہ علوم انوار کو حاصل کرو اور تقوی کیساتھ انپر عمل کرو پھر حق تعالیٰ خود ہی اسرار بھی قلب پر القاء کردیں گے اور ان علوم کو انوار سے ملقب کرنیکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یھدی اللہ لنورہ من یشاء کہ حق تعالیٰ اپنے نور کیطرف جسکو چاہیں ہدایت کردیتے ہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم کہ قرآن سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے (لام بمعنی الی ہے) اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ہدایت وہی ہے جو قرآن کی ہدایت ہے تو جن امور کی طرف قرآن نے ہدایت کی ہے یعنی جن علوم کو ظاہر کردیا ہے ان کا نور ہونا ثابت ہو گیا پس آیۃ میں اسطرف اشارہ ہے کہ اے سامعین جن علوم کی زیادت مطلوب ہے وہ وہی ہیں جو ظاہر کردیئے گئے ہیں تم ان میں زیادت طلب کرو اور اسرار کے درپے نہ ہو

جسکا نمونہ یہ آئم ہے اس مضمون کو سورہ آل عمران میں زیادہ وضاحت کیساتھ بیان فرمایا ہے ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ اٰیاتٌ محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابہات فاما الذین فی قلوبھم زیغٌ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب۔ وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جسنے نازل کیا تم پر کتاب کو جسمیں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ مراد سے محفوظ ہیں (یعنی اُن کا مطلب ظاہر ہے) اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں اس کتاب کا (مطلب یہ ہے کہ غیر ظاہر المعنی کو بھی انھی ظاہر المعنی کیموافق بنایا جاتا ہے) اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو مشتبہ المراد ہیں (کہ انکا مطلب خفی ہے) سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے (دین میں) شورش ڈھونڈنیکی غرض سے اور اُسکے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے (تاکہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے مدد حاصل کریں) حالانکہ اُسکا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا اور (اسیواسطے) جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ (ایسی آیتوں کیمتعلق) یوں کہتے ہیں کہ ہم اسپر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں سب آیتیں ہمارے پروردگار کیطرف سے ہیں (ظاہر المعنی بھی خفی المعنی بھی پس ان کے جو کچھ معنی اور مراد واقع میں ہیں وہ حق ہیں) اور نصیحت (کی بات) کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں (یعنی عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ مفید اور ضروری بات میں مشغول ہو مضر اور فضول قصہ میں نہ لگے (بیان القرآن) اس آیت میں علوم کی تقسیم کر دی گئی ایک علم محکم ایک علم متشابہ اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ علوم محکمہ اصل مقصود ہیں اور علوم متشابہ کا درپے ہونا مذموم ہے پس اب زیادت فی العلم کی تفصیل بخوبی واضح ہو گئی کہ زیادت ہر علم میں مقصود نہیں بلکہ صرف محکمات میں مقصود ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل لوگ انھی علوم کے درپے ہیں جنکے درپے ہونے سے روکدیا گیا ہے کوئی پوچھتا ہے نماز میں کیا حکمت ہے کوئی کہتا ہے جماعت کی کیا فلاسفی ہے کوئی روزہ اور حج کی علت کے درپے ہے حالانکہ شریعت نے علل احکام کے جاننے کا امر نہیں کیا اور جن علل کو بیان بھی کیا ہے جیسے سؤر ہرہ کے باب میں فرمایا انھا من الطوافین علیکم والطوافات وہ علتیں بھی اہل استنباط کیلئے بیان فرمائی ہیں تاکہ حکم کا تعدیہ کرسکیں عوام کو اُنکے جاننے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ انمیں صلاحیت اجتہاد تو کیا ہوتی بعض علل کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں پس ان اسرار کا حق یہ ہے کہ کل من عند ربنا کہکر اجمالاً اسپر ایمان لے آؤ کہ حق تعالیٰ کے احکام میں ضرور حکمتیں ہیں گو ہمکو معلوم نہ ہوں اور آیات متشابہات کے ضرور کچھ معنی ہیں گو ہم نہ جانتے

ہوں اور جو اسکی مُراد ہے ہم اسکو حق مانتے ہیں یہی معاملہ حروف مقطعات قرآنیہ کیساتھ کرنا چاہئے بس اب میں ختم کرتا ہوں گو مضامین تو اور بھی قلب پر آرہے ہیں مگر اب رات کے بارہ بج چکے ہیں سامعین بھی سونے لگے ہیں میں بھی تھک گیا ہوں خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ سب مسلمانوں کو اور خصوصًا طلبہ کو زیادت فی العلم اور نور علم کی تحصیل کا امر ہے اسکا اہتمام کرنا چاہئے جسکے دو طریقے ہیں ایک دُعا۔ دوسرے تقوی عن المعاصی۔ اس مضمون سے چونکہ بہت اذہان خالی تھے اور تھا نہایت ضروری اسلئے آج میں نے اسکو بیان کیلئے اختیار کیا گو تفصیل زیادہ نہ ہو سکی مگر مخاطب زیادہ تر اہل علم ہیں امید ہے کہ اُن کو اختصار بھی کافی ہوگیا ہوگا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمکو اسکی توفیق عطا فرمائیں آمین وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

تتمہ وعظ ف

بعض مضامین تقریر کے وسط میں حاضر فی الذہن تھے مگر اخیر میں ذہن سے نکل گئے اور ایک مضمون بعد ہی میں ذہن میں آیا ان سبکو مفید ہونے کے سبب لکھا جاتا ہے

اول (اور یہ بعد میں ذہن میں آیا) یہ **علم موہوب** جو تقوی سے مسبب ہے وہ ہے جسکی نسبت حدیث میں ارشاد ہے من اوتی زھدا فی الدنیا وقلۃ منطق فاقتربوا منہ فانہ یلقی الحکمۃ

ثانی (اور یہ اور اُس کا مابعد تقریر کے وسط میں ذہن میں حاضر تھا) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ اس تقریر کی بنا پر ھدی للمتقین سے معلوم ہوتا ہے کہ تقوی سبب ہے ہُدیٰ مفسر بزیادت فی العلم اور آیت والذین اھتدوا زادھم ھدی واتاھم تقوٰیھم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدی سبب ہے تقوی کا۔ جواب یہ ہے کہ تقوی جو سبب ہے ہدی کا وہ نفس تقوی ہے اور جو تقوی مسبب ہے ہدی سے درجہ علیا ہے تقوی کا جو کہ موہوب ہے تو حاصل مجموعہ نصین کا یہ ہوا کہ بندہ اول نفس تقوی جب بکسب اختیار کرتا ہے اُسپر ہدی

ف کتبہا سیدی حکیم الامۃ بیدہ الکریمۃ واعطانیہا بعد رجوعہ الی الوطن وہذا نصہ ۱۲ ظ

مرتب ہوتا ہے پھر اس ہدیٰ پر ثابت رہنے سے خود اس میں بھی ترقی ہونی ہے اور تقوی کا درجہ علیا موہوبہ بھی اسی سے عطا ہوتا ہے اور قرینہ اس ارادہ موہوبیت کا لفظ اتاہم ہے اور قرینہ اسکے علیا ہونے پر اضافت ہے تقوی کی ضمیر مہتدین کیطرف جو اُنکے کمال پر دال ہے جیسے وسعی لہا۔ فیہا ای السعی المناسب لہا۔ اسی طرح یہاں مراد ہے ای التقوی المناسب لشانہم وہم الکاملون فالتقوی المناسب للکاملین هوالکامل منہ

ثالث۔ اس وعظ کا نام کوثر العلوم تجویز کیا جاتا ہے اسلئے کہ اس میں زیادت العلم فی العلم مفسر بحکمت کا ذکر ہے اور حکمت کو حق تعالیٰ نے خیر کثیر فرمایا ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا اور کوثر کی تفسیر بھی خیر کثیر سے کیگئی ہے اور اسی بناء پر نہر خاص کو بھی کوثر کہا گیا ہے کہ وہ خیر کثیر ہے بلکہ اہل معانی نے تو خود اس نہر کی حقیقت بھی علم و حکمت ہی بتلائی ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ محققین نے تصریح کی ہے کہ تمام معانی کی کچھ مثالی صورتیں بمناسبت اوصاف کے حق تعالیٰ نے عالم برزخ و عالم آخرت میں پیدا کی ہیں چنانچہ احادیث میں بھی بعض کا ذکر ہے سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران کا بشکل دو بدلیوں کے ظاہر ہونا اور درمیان میں جو بسم اللہ ہے اسکا بشکل ایک چمک کے ظاہر ہونا نحو ذلک وارد ہے۔ اسی طرح شریعت کی صورت پل صراط کو کہا ہے اور علم و حکمت کی صورت حوض کوثر کو کہا ہے اور اسی مناسبت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جو دودھ دیکھا تھا اسکی تعبیر علم سے فرمائی کیونکہ دونوں کے منافع کثیر ہیں اور حوض کوثر کا پانی بشکل دودھ کے منقول ہوا ہے۔ واللہ اعلم